طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں نصاریٰ نے مبالغہ کیا تھا۔ میں ایک بندہ ہوں، بس مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہو۔ (بخاری ومسلم)۔

براہو مشرکین کا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر اُتر آئے جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے روکا تھا اس پر عمل کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کی اس انداز سے تعریف کی کہ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اس سلسلے میں شدید مخالفت کی اور غلو اور شرک میں نصاریٰ کی مشابہت اختیار کر لی اور محذورات ومنہیات میں گر پڑے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نظم ونثر میں اتنی کتابیں لکھیں جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے بعض ان مشرک علماء کی تردید کی ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ: ''جن جن مواقع پر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ جائز ہے وہاں رسول اللہ ﷺ سے بھی استغاثہ جائز ہے''۔

اسی موضوع پر خاصی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن کی شیخ الاسلام نے خوب تردید کی ہے۔ شیخ الاسلام کی یہ تردید اب بھی کتابی صورت میں موجود ہے۔ ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''غیب کی وہ چابیاں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں اُن سے رسول اللہ ﷺ بھی باخبر ہیں''۔ اس کے علاوہ بھی اُس نے بہت سی خرافات اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلبی بصیرت کے اس اندھا پن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اس ضمن میں بوصیری کی ایک نظم یا یہ شعر دیکھئے: لکھا ہے: (ترجمہ) ''اے مخلوق میں سے بہترین انسان! میں تیرے سوا خطراتِ عامہ میں کس کی پناہ میں آؤں''۔ اس کے بعد کے اشعار پر غور کیجئے کہ اخلاص، دعا، اُمید ورجا، اعتماد اور مشکلات میں پناہ کی خواہش کا اظہار جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، ان اشعار میں ان چیزوں کو غیر اللہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

اصل میں یہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے انکار ہے۔ کیونکہ جو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس کے خلاف عمل کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ حقیقت میں محبت رسول ﷺ کی صورت میں شیطان نے شرک کو ان کے قلب وذہن میں پیوست کر دیا ہے۔ توحید اور اخلاص کو جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مرحمت فرما کر مبعوث کیا تھا ناقص کر دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کی عظمت وتوقیر کے بجائے آپ ﷺ کی شان میں نقص اور گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ افراط تعظیم سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ یہ اس کا ارتکاب

کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر رضامند نہیں اور نہ ان کو تسلیم ہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور توقیر اس میں ہے کہ:

☆ آپ ﷺ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کی منع کی ہوئی اشیاء کو ترک کر دیا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے اختیار کردہ راستہ پر چلا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کی سنت مطہرہ کو مشعل راہ بنایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے دین کی دعوت کو قریہ قریہ پہنچایا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے دین کی مدد و نصرت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا جائے۔ ☆ آپ ﷺ کے نقش قدم پر جو شخص گامزن ہو، اس سے محبت کی جائے۔ اور جو شخص آپ ﷺ کے طریقہ اور سنت کی مخالفت کرے اُس سے عداوت، بغض اور قطع تعلق کر لیا جائے۔ ان لوگوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے، اس کے خلاف کیا ہے اور جن سے منع فرمایا تھا اس پر عمل پیرا ہیں۔ فاللہ المستعان۔

وَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَ الْغُلُوَّا فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلے جتنے لوگ ہلاک ہوئے وہ سب غلو ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

ولمسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ تکلف کرنے اور حد سے بڑھنے والے ہلاک ہو گئے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں: کسی عمل میں غلو کرنے والا شخص متنطع کہلاتا ہے، وہ بھی متنطع ہے جو کلامی موشگافیوں میں الجھتا ہے اور ایسے ایسے مسائل کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے جہاں انکی عقلوں کی رسائی ممکن نہ ہو۔ عبادت و تصوف کی اصطلاح میں اُس شخص کو بھی متنطع کہتے ہیں جو حلال اور مباح اشیاء کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے جیسے روٹی اور گوشت نہ کھانا، سادے اور موٹے رُوئی کے کپڑے پہننا، بھیڑ بکریوں کے بالوں کے کپڑے استعمال کرنا، نکاح وغیرہ سے اجتناب کرنا۔ ان تمام چیزوں سے اس لئے رُک جانا کہ یہ زُہد، مستحسن اور مستحب ہے؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پرلے درجے کی جہالت اور ضلالت ہے کہ اس طرح

کے تقشفات کو دین قرار دیا جائے۔امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ''بحث وتمحیص میں انتہا کو پہنچ جانے والے کو متنطع کہا جاتا ہے''۔ابوالسعادات کہتے ہیں: ''کلامی مسائل میں بال کی کھال اتارنے والے کو متنطع کہا جاتا ہے وہ بھی اس دائرہ میں داخل ہیں جو باتکلف بات چیت کرتے اور حلق سے نکالتے ہیں''۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خواہ مخواہ گفتگو میں تفصیلات پیدا کرنا اور بہ تکلف فصاحت و بلاغت کا اظہار کرنا، اجنبی اور غیر مانوس الفاظ بولنا، اور عوام سے خطاب کرتے وقت دقیق عبارات والفاظ استعمال کرنا یہ سب کراہت میں داخل ہے''۔

فیہ مسائل

☆ جو شخص اس زیر بحث باب اور آئندہ ابواب پر غور کرے گا اُس پر اسلام کی مظلومیت واضح اور آشکارا ہو جائے گی اور دلوں کے پھیرنے کے سلسلے میں اُس کو اللہ کے عجیب وغریب کرشمے اور اُس کی حکمتیں نظر آئیں گی۔ ☆ کرۂ ارض پر سب سے پہلا جو شرک پایا گیا وہ صالحین کی محبت وعظمت میں غلو کی وجہ سے تھا۔ ☆ دنیا میں سب سے پہلے جس میں تغیر وتبدل واقع ہوا وہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تھا اور اُس کے اسباب کی وضاحت۔اور اس حقیقت کا اظہار کہ اہل دنیا کو خوب علم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہی مبعوث فرمایا ہے (لیکن پھر بھی لوگوں نے اس کی پروانہ کی)۔ ☆ لوگوں نے بدعت کو بہت جلد قبول کر لیا حالانکہ شریعت اِسلامی اور فطرت سلیم اِس کی سخت تردید کرتی ہے۔ ☆ شرک کے پیدا ہونے کی صرف ایک وجہ تھی، وہ یہ کہ حق اور باطل کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا تھا اور اس کے دو سبب واضح طور سے نظر آتے ہیں: ۱۔صالحین کی محبت میں غلو اور افراط ومبالغہ۔۲۔اہل علم نے چند ایسے اُمور انجام دیئے کہ بظاہر اُن کی نیتیں درست تھیں لیکن بعد میں آنے والے افراد نے ان کا مطلب اس کے برعکس سمجھا جو سابق اہل علم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ☆ انسان کی طبیعت کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اِس کے قلب وضمیر میں حق کمزور سے کمزور تر واقع ہوتا چلا جاتا ہے اور باطل آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جاتا ہے۔ ☆ اس باب میں سلف اُمت کے اقوال سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کفر وشرک میں ملوث ہونے کی سب سے بڑی وجہ بدعت کا ارتکاب تھا۔ ☆ انسان کو بدعت کس گڑھے میں پھینک دیتی ہے؟ اس سے شیطان اچھی طرح آگاہ ہے اگرچہ بدعتی کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ ☆ اس باب کے مطالعہ سے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ کہ غلو سے قطعی طور پر

اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا انجام انتہائی رسوا کن اور بسا اوقات انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ ☆کسی عمل صالح کی انجام دہی کے لئے قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا انتہائی نقصان دہ فعل ہے۔ ☆(مٹی اور پتھر وغیرہ سے) کسی شخص کی شبیہ بنانے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔مزید برآں یہ کہ اِن کے مٹا دینے اور توڑ دینے میں جو حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اُن کا علم۔ ☆وقوعِ شرک کے واقعہ کا علم اور اس کے اسباب کی معرفت کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے لیکن یہی وہ اہم پہلو ہے جس سے مسلمان غافل ہو گئے ہیں۔اس واقعہ میں اِس بات کی وضاحت ہے کہ اُن کا اِرادہ صرف یہ تھا کہ ہمارے بزرگ ہمارے سفارشی ہیں۔ ☆اُن مشرکین نے یہ سمجھا کہ جن علماء نے ان اولیاء کی تصویریں بنائی تھیں ان کا اِرادہ بھی وہی تھا جس کا ہم عملاً اظہار کر رہے ہیں۔ ☆رسول اکرم ﷺ نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ غلو میں مبتلا ہونے اور بے معنی موشگافیاں پیدا کرنے والے ہی ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں۔ ☆اس باب میں اِس امر کی تصریح ہے کہ جب علم ناپید ہو گیا تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی تھی اس سے علم کے وُجود کی قدر و قیمت اور اس کے ختم ہو جانے کے نقصانات کا پتا چلتا ہے ☆یہ بھی پتہ چلا کہ فقدانِ علم کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ علماء اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

باب

من التغليظ فيمن عبد الله عن قبر رجل صالح فكيف اذا عبده

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کس درجہ فتنوں کو دعوت دیتا ہے، چہ جائیکہ خود اُس مردِ صالح کی عبادت کی جائے۔

فى الصحيح عن عائشة رضی اللہ عنہا اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَنِيْسَةً رَاَتْهَا بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ وَ مَا فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اَوِ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْهُ فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ فَهٰؤُلَآءِ جَمَعُوْا بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ فِتْنَةَ الْقُبُوْرِ وَ فِتْنَةَ التَّمَاثِيْلِ

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ملک حبشہ میں ایک گرجا

دیکھا جس میں تصاویر بھی تھیں۔ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ چشم دید منظر رسول اکرم ﷺ کو بتایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں اگر کوئی صالح اور دیندار شخص فوت ہو جاتا تو یہ لوگ اُس کی قبر کے پاس مسجد بنا لیتے اور پھر اُس مسجد میں فوت شدہ شخص کی تصویر بنا کر لٹکا دیتے تھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس قسم کے افراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین لوگ شمار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں بیک وقت دو فتنے جمع ہو گئے، ایک قبروں کا اور دوسرا تصاویر کا۔

اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے افراد پر لعنت فرمائی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''چونکہ قبروں پر مساجد کی تعمیر کی وجہ سے اکثر و بیشتر قومیں شرک میں ملوث ہو کر عذاب الٰہی کا شکار ہوئی تھیں، اسی بنا پر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی اُمت کو اس سے سختی سے منع فرما دیا کیونکہ انسان جب کسی صالح اور بزرگ شخص کی تصویر کو دیکھتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں نجوم اور کواکب کی تاثیر کو بڑا دخل ہوگا۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بنسبت لکڑی یا پتھر کے کسی صالح اور بزرگ کی تصویر سے زیادہ جلدی متاثر ہوتا اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم مشرکین کو کسی بزرگ کی قبر پر دیکھتے ہیں تو وہ وہاں آہ وزاری میں مبتلا ہوتے ہیں، انتہائی خوف وخشیت کی حالت میں دعائیں کرتے ہیں اور قلب وذہن کی تمام توجہات سے اس طرح قبر پر عبادت میں مشغول ہوتے ہیں کہ مسجد میں ان کی یہ کیفیت ہرگز نہیں ہو پاتی۔ اکثر لوگوں کو سجدہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے اور وہ وہاں نماز پڑھنے اور دعاء والتجا کرنے کو مسجد سے زیادہ بابرکت سمجھتے ہیں، اسی خرابی کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے قبروں کو بالکل صاف اور سطح زمین کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا۔ حتی کہ قبرستان میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا گیا۔ اگرچہ نمازی کی نیت برکت حاصل کرنا نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا اس لئے کہ مشرکین اس وقت سورج کی پوجا اور پرستش کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرما دیا، بیشک نمازی سورج کی پوجا نہ کرتا ہو، شریعت کا مقصد یہ ہے کہ شرک تک رسائی کے تمام دروازوں کو بند کر دیا جائے۔

جو شخص قبرستان میں نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اسے برکتِ کثیر حاصل ہوگی تو گویا وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا مرتکب ہوا ہے، وہ شریعت اسلامیہ کی کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا ہے اور دین اسلام میں ایسی رخنہ اندازی کر رہا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ تمام مسلمانوں کا

اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قبروں میں نماز پڑھنا ممنوع بلکہ حرام ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھی کی ہے۔

دین میں سب سے بڑی بدعت قبروں میں مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا ہے، اور شرک میں مبتلا ہونے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور نصوص حد تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ تمام ائمہ کرام قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو خلافِ سنت اور منافی شریعت قرار دیتے ہیں۔

ولهما عنها قَالَتْ لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَّهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَاِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا وَلَوْ لَا ذٰلِكَ اُبْرِزَ قَبْرُهٗ غَيْرَ اَنَّهٗ خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا اخرجاه

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ پر وفات کی علامات ظاہر ہوئیں تو آپ ﷺ شدت تکلیف سے اپنی چادر کبھی چہرۂ انور پر ڈال لیتے اور کبھی چہرے کو کھلا رکھتے جب کھلا رکھتے تو فرماتے کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو اُنہوں نے انبیائے کرام کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ یہود ونصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر بھی عام صحابہ کی قبروں کی طرح ظاہر ہوتی۔

اسلام کی بے چارگی کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس عمل بد سے رسول اللہ ﷺ نے روکا، اور اس کے کرنے والے کو ملعون قرار دیا، آج اسی عمل میں آپ ﷺ کی اُمت کی اکثریت گرفتار ہو چکی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بدترین گناہ ہے لیکن بعض لوگ اسے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور اس کی رضا کا سبب سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ سے عداوت اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اگر آپ اس پر ذرا غور فرمائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قبر کے پجاریوں اور اصنام پرستوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ذرائع شرک کے سدباب کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی قبر کی دیوار

کو اتنا اونچا کر دیا کہ اس میں داخل ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ پھر اس کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کی جس کی وجہ سے وہ ایک گھیرے میں آ گئی۔ بعد ازاں ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر کو قبلہ نہ بنا لیا جائے، کیونکہ وہ نمازوں کے سامنے پڑتی تھی اور ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ عبادت کی صورت میں، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دیں گے چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر قبر کے جانب شمال میں دونوں طرف دیواریں اس انداز سے تعمیر کی گئیں کہ نمازوں کے سامنے آنا ممکن نہ رہا"۔

ولمسلم عن جندب بن عبد الله رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَ هُوَ یَقُوْلُ اِنِّیْ اَبْرَاُ اِلَی اللهِ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ مِنْکُمْ خَلِیْلٌ فَاِنَّ اللهَ قَدِ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا وَ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اُمَّتِیْ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَ اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ مِنْ قُبُوْرِ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذٰلِکَ فَقَدْ نَهٰی عَنْهُ فِیْ اٰخِرِ حَیَاتِهٖ ثُمَّ اَنَّهٗ لَعَنَ وَ هُوَ فِی السِّیَاقِ مَنْ فَعَلَهٗ وَ الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا مِنْ ذٰلِکَ وَ اِنْ لَّمْ یُبْنَ مَسْجِدٌ وَ هُوَ مَعْنٰی قَوْلِهَا خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا

صحیح مسلم میں سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے پانچ روز قبل یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو (سیدنا) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو بناتا۔ غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبروں میں مساجد تعمیر کرنے سے منع کرتا ہوں۔ اس سے رسول اکرم ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں روکا تھا، پھر آپ ﷺ موت وحیات کی کشمکش میں تھے کہ یہود و نصاریٰ اور اُس شخص پر جو قبروں میں مسجد بنا کر یا بغیر مسجد بنائے نماز پڑھے، لعنت فرمائی ہے۔ مذکورہ مفہوم اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کہ "خَشِیَ اَنْ یُّتَّخَذَ مَسْجِدًا" میں کوئی فرق نہیں بلکہ یہ ہم معنی اور ہم مطلب عبارات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے معلوم ہوا کہ خلت کا مقام محبت سے کہیں بلند ہے۔ بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ محبت کا مقام اور درجہ خلت سے بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور رسول اکرم ﷺ کو حبیب کے لقب سے نوازا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ محبت

عام ہے اور خلت خاص محبت کی انتہٰی کو خلت کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلیل ٹھہرالیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خلیل نہیں ہے، جہاں تک محبت کا تعلق ہے اس کی صف میں کئی لوگ آتے ہیں چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے والد ماجد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے آپ کو محبت تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں، پاک وصاف رہنے والوں اور صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے لیکن اس نے اپنی مخلوق میں سے صرف دو انبیاء کو خلیل ٹھہرایا ہے ایک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اور دوسرے رسول اکرم ﷺ کو۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اس میں رافضیوں (موجودہ اہل تشیع) اور جہمیوں کی تردید ہوگئی کیونکہ یہ دونوں فرقے اہل بدعت میں سے سب سے زیادہ شریر ہیں بلکہ بعض سلف نے تو ان کو بہتر فرقوں میں سے بھی باہر نکال دیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان رافضیوں (شیعوں) کی وجہ سے شرک اور قبروں کی پوجا شروع ہوئی اور یہ وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں میں مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت جس سے زیادہ ہوگی وہی آپ ﷺ کی جانشینی کا زیادہ مستحق ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ تیسری یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے فرمائیں تو آپ ﷺ برہم اور ناراض ہوئے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے اس فعل پر رسول اللہ ﷺ نے جو انکار فرمایا ہے، اس کے دو سبب تھے: ۱۔ پہلا یہ کہ وہ انبیائے کرام کی قبروں کو تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے۔ ۲۔ دوسرا یہ کہ وہ انبیاء کی قبروں پر نماز پڑھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور حالت نماز میں ان انبیاء کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ایک خاص درجہ حاصل ہو جائے گا۔ پہلی صورت شرکِ جلی کہلاتی ہے اور دوسری شرکِ خفی۔ اِسی بنا پر وہ لعنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

جناب سید المرسلین ﷺ کی اس درجہ سخت تہدید، شدید وعید اور ان کو ملعون قرار دینے کے بعد ایک

مسلمان کا قبروں کی تعظیم کرنا، اوران پر قبے (ومزار) تعمیر کرنا، وہاں جا کر اور خصوصاً ان کو مرکزِ توجہ ٹھہرا کر نماز پڑھنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ یہ لوگ اگر ذرا بھی غور وفکر کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ براہِ راست اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دشمنی اور جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ کی قسم یہی وہ دروازہ ہے جس سے یغوث، یعوق، نسر اور اصنام پرستوں میں شیطان داخل ہوا اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ پس مشرکین میں دو جُرم بیک وقت جمع ہو گئے: ایک صالحین کی شان میں غُلُوْ، اور دوسرا صالحین کے طریقے کی مخالفت۔ اہل توحید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا کیونکہ یہ اہل اللہ اور صالحین کے نقش قدم پر چلے ان کو اس مقام سے بلند نہ سمجھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو فائز کیا ہے، اور وہ عبدیت کا عظیم مقام ہے، جس میں اُلوہیت کی کوئی بھی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔

فَاِنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُوْنُوْا لِيَبْنُوْا حَوْلَ قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ كُلُّ مَوْضِعٍ قُصِدَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَقَدِ اتَّخِذَ مَسْجِدًا بَلْ كُلُّ مَوْضِعٍ يُّصَلّٰى فِيْهِ يُسَمّٰى مَسْجِدًا كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی قبر کے اردگرد مسجد بنالیں کیونکہ جس جگہ نماز پڑھنا مقصود ہو وہ مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے اُسے مسجد ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے لئے رُوئے زمین کو پاک صاف اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے۔

و لاحمد بسند جيد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَ هُمْ اَحْيَاءٌ ورواه ابو حاتم فی صحيحه وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ

مسند امام احمد میں بسند جید سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بدترین اور شریر لوگ وہ ہوں گے کہ جن کی زندگی میں بڑے بڑے آثارِ قیامت نمودار ہوں گے۔ امام ابوحاتم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ (یہ وہ لوگ ہوں گے) جو قبرستانوں میں مسجدیں تعمیر کریں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ درج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''انبیاء وصالحین اور بعض بادشاہوں کی قبروں پر جو مساجد نظر آ رہی ہیں ان کا انہدام ضروری ہے اور ان کو منہدم کرنے میں کسی صاحب علم کو

اختلاف نہیں ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''قبروں پر جو بڑے بڑے قبے (ومزار) نظر آ رہے ہیں ان کو منہدم کر دینا واجب ہے کیونکہ ان کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر رکھی گئی ہے۔

علامہ زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''قبروں پر تعمیرات کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قبروں کو چونے (سیمنٹ) سے پختہ کرنا اور ان پر قبے وغیرہ بنانا ممنوع ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے۔

اگر پہلے سے مسجد بنی ہوئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔ قبر آگے ہو یا پیچھے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلا اختلاف کسی مذہب کے ایسا کرنا معصیت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ترجمہ) تم سے پہلے لوگ انبیاء وصالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! میں تم کو قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے منع کرتا ہوں''۔

اگر پہلے سے مسجد نہیں ہے تو بھی قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس لئے کہ نماز کی مخالفت تو قبر کی وجہ سے ہے، خواہ مسجد ہو یا نہ ہو، ہر وہ مقام جہاں نماز ادا کی جائے، اُسے مسجد کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ: ''میری اُمت کے لئے ساری زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا ہے''۔ ایک قبر کی جگہ ہو یا زیادہ کی، بہرحال جہاں قبر ہو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر اور اس کے صحن میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ اس طرح جو مسجد قبرستان میں تعمیر ہو چکی ہو، اس میں نماز پڑھنا حرام ہے خواہ نمازی اور قبر کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو۔

فیہ مسائل

☆ جو بھی کسی صالح اور بزرگ کی قبر کے پاس عبادت کے لئے مسجد تعمیر کرتا ہے، اگرچہ اُس کی نیت صحیح ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہدیدی فرمان کی زد میں آتا ہے۔ ☆ کسی صالح شخص کی تصویر بنانے کی حرمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین وعید ہے۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید تہدیدی کلمات میں عبرت ونصیحت کا یہ پہلو پنہاں ہے کہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی نرم الفاظ میں وضاحت فرمائی اور پھر وفات سے

پانچ روز پہلے اس کی سختی سے تردید فرمائی۔ آپ ﷺ نے اِسی پر بس نہیں کی (بلکہ وفات کے وقت ایسے لوگوں کو جو قبروں میں مساجد تعمیر کرتے ہیں، ملعون قرار دیا)۔ ☆ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی قبر پر تعمیر مسجد سے منع فرمایا حالانکہ آپ ﷺ کی قبر اُس وقت موجود نہ تھی۔ ☆ قبروں پر مسجد بنانا اور اُن میں عبادت کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا۔ ☆ اسی بنا پر رسولِ کریم ﷺ نے یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دیا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرنے کا اصل مطلب یہ تھا کہ مسلمان آپ ﷺ کی قبر پر اس قسم کے افعال کا ارتکاب نہ کریں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو ظاہر اور کھلا نہ رکھنے کا سبب اور مصلحت۔ ☆ قبر کو عبادت گاہ بنانے کے نقصانات کا تفصیل سے جائزہ لینا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور اُن بدترین لوگوں کو جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی، ایک ہی مقام دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شرک کے وقوع سے پہلے ہی اُس کے اسباب پر روشنی ڈال دی۔ ☆ رحمت عالم ﷺ نے وفات سے صرف پانچ روز قبل اس فتنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرمایا۔ اہل بدعت کے سب سے زیادہ شریر دو فرقوں کی تردید۔ اور بعض اہل علم نے تو ان کو بہتر فرقوں سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ان دو فرقوں میں ایک رافضی (شیعہ) اور دوسرا جہمیہ ہے۔ خصوصاً رافضیوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبروں کی عبادت کے فتنے نے جنم لیا اور یہی وہ فرقہ ہے جس نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ☆ اس باب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ کو وفات کے وقت سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کو خلت کی عظمت و بزرگی سے نوازا گیا ہے۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ خلت کا مقام محبت سے اونچا ہے۔ ☆ اس بات کی بھی تصریح کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کا اپنی زندگی میں ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمانا۔

باب

ان الغلو فی قبور الصالحین یصرها اوثانا تعبد من دون اللہ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُن کو بتوں کی حیثیت دے دی جاتی ہے اور پھر اُن کی بھی

پرستش ہونے لگتی ہے۔

روی مالک فی المؤطا اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قَالَ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللہِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موطا میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں۔ اُن اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ ﷺ کی قبر کو تین دیواروں میں چھپا دیا ہے اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کے اطراف کو آپ کی دعا کی وجہ سے اللہ رب العزت نے اپنی خاص رحمت اور حفاظت وصیانت میں لے لیا ہے۔ زیر بحث حدیث کے الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو پوجا جاتا تو وہ بہت بڑا وثن بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قبر انور کو اس طرح محفوظ فرمایا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی بادشاہ کے اختیار میں بھی نہیں رہا۔ حدیث مذکورہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہ قبر، وثن کہلاتی ہے جسے قبروں کے پجاری اپنے ہاتھوں سے چومنا چاٹنا شروع کر دیں یا ان کے تابوتوں سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کریں۔ افسوس کہ آجکل قبروں کی تعظیم اور ان کی عبادت کا فتنہ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُس درخت کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کا حکم صادر کیا جس کے نیچے بیٹھ کر رحمت عالم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر لوگوں سے بیعت لی تھی۔ اس درخت کو اس لئے کاٹ دیا گیا کہ لوگوں نے وہاں جا کر اُس کے نیچے نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شرک کا فتنہ پھیلنے کے خدشے کی وجہ سے اس کو کٹوا دیا تھا۔

خالد بن دینار کہتے ہیں کہ ابوالعالیہ نے ہمیں مندرجہ ذیل عجیب وغریب واقعہ سنایا، فرماتے ہیں کہ ''جب ہم نے تستر (نامی ایرانی شہر) فتح کیا تو ہرمزان کے مال میں جہاں اور بہت سی اشیاء دستیاب ہوئیں وہاں ایک چارپائی بھی ملی جس پر ایک شخص کی لاش تھی، اور اُس کے سرہانے ایک مصحف رکھا ہوا تھا۔ ہم اسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ابوالعالین رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے میں نے اُس کو اس طرح پڑھ کر سنایا جیسا ہم

قرآن پڑھا کرتے ہیں۔ خالد بن دینار: اُس مصحف میں کیا لکھا ہوا تھا؟ ابوالعالین بولے: تمہاری ہی جیسے اُمور واحکام، اور تمہارے ہی جیسی خوش الحانی، اور اس کے علاوہ بہت سی آئندہ پیش آنے والی باتیں۔ خالد بن دینار نے سوال کیا: تم نے اس شخص کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ: ہم نے دن کی روشنی میں مختلف تیرہ قبریں کھودیں اور پھر رات کی تاریکی میں ہم نے اس میت کو ایک قبر میں دفن کر کے تمام قبروں کو برابر کر دیا تا کہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ وہ کس قبر میں مدفون ہے۔ خالد بن دینار: اس لاش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ کون تھا؟ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ: وہ سیدنا دانیال علیہ السلام کی لاش تھی۔ خالد بن دینار: تمہاری رائے میں اُن کو فوت ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہوگا؟ ابوالعالیہ: تین سو سال کے قریب۔ خالد بن دینار: جسم میں کسی قسم کی تبدیلی تو نہیں ہوئی تھی؟ ابوالعالیہ: ہرگز نہیں صرف گدی کے قریب چند بال متغیر ہو گئے تھے کیونکہ انبیاء کے جسموں کو زمین خراب نہیں کر سکتی۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مہاجرین اور انصار مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا دانیال علیہ السلام کی قبر کو اس لئے برابر اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تا کہ بعد میں آنے والے لوگ شرک و بدعت کے فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اور اس لئے بھی قبر کو ظاہر نہیں کیا تا کہ لوگ یہاں آ کر دعا اور تبرک حاصل نہ کر سکیں۔ کیونکہ اگر قبر کو نمایاں اور ظاہر کر دیا جاتا تو بعد میں آنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ اور اگر متاخرین قبر کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس پر تلواروں سے جنگ شروع ہو جاتی اور پھر اللہ کے سوا قبر کی پوجا شروع ہو جاتی''۔

اہل قبور کے لئے دُعائے مغفرت کی نیت سے جانا ممنوع نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: (ترجمہ) قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں''۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔

ولابن جرير بسنده عن سفيان عن منصور عن مجاهد اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰاتَ وَ الْعُزّٰى قَالَ كَانَ يَلُتُّ لَهُمُ السَّوِيْقَ فَمَاتَ فَعَكَفُوْا عَلٰى قَبْرِهٖ

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ''اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰاتَ وَ الْعُزّٰى'' میں مذکور اللّٰات کے بارے میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی سند سے عن سفیان عن منصور نقل کرتے ہیں کہ ''لات حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے''۔

زیر بحث روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ لوگ اس شخص کی سخاوت دیکھ کر، اس کی محبت میں غلو کا شکار ہو گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کی عبادت شروع ہوگئی اور پھر اس کی قبر مشرکین عرب کا بہت بڑا ثن اور بت بن گئی۔

وکذا قال ابو الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کَانَ یَلُتُّ السَّوِیْقَ لِلْحَاجِّ

ابن الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے کہ لات حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ رواہ اھل السنن

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ اور اُن کو بھی ملعون قرار دیا جو قبروں میں مسجدیں بناتے اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

کچھ لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا سہارا لے کر عورتوں کو قبرستان جانے کی رخصت دے دی ہے، تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئیں اور قبر پر کھڑی ہو کر کہنے لگیں کہ: (ترجمہ) ''(اے بھائی!) اگر میں تمہاری وفات کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو تمہاری قبر کی زیارت نہ کرتی''۔ اس روایت سے بھی عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت مستحب ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ مردوں کے لئے مستحب ہے کیونکہ اگر عورتوں کے لئے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر کی زیارت پر اس معذرت کا اظہار نہ کرتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو اجازت دینے کی علت اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''قبروں کی زیارت موت دلاتی ہے، دل کو نرم کرتی ہے اور آنکھوں کو پرنم کرتی ہے''۔ (مسند احمد)۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر عورت کے لئے یہ اجازت دے دی جائے تو وہ اپنی فطری کمزوری کے باعث جزع فزع اور بین کرنے سے باز نہیں رہ سکتی جس کا حرام ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اس طرح عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لئے جانا گویا حرام کاموں میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتا تھا اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسی حد نہیں مقرر نہیں کی جا سکتی جس کی بناء پر عورتیں جزع وفزع ایسے حرام کاموں سے بچ سکیں۔ اسی لئے ان کو بالکل روک دیا گیا۔ شریعت کا اصول بھی یہی ہے کہ کسی فعل کی حکمت پوشیدہ ہو یا ظاہر، حکم کا اطلاق مظنہ (یعنی خطرہ) کی بنا پر آتا ہے تاکہ نہ

صرف اس برائی کو روکا جا سکے بلکہ وہ ذرائع و وسائل جو عام طور پر اس برائی کی طرف لے جاتے ہیں ان سے بھی روک دیا جائے۔

محمد بن اسماعیل الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''تطہیر الاعتقاد'' میں فرماتے ہیں کہ: ''یہ بڑے بڑے قبے (ومزار) اور میلے جو الحاد اور شرک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی بنیادیں ہل کر رہ گئی ہیں ان کو تعمیر کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ، سلاطین، رؤسا اور والیان ریاست ہی تو تھے۔ انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے قبے ومزار بنائے، یا ان لوگوں کی قبروں پر قبے ومزار تعمیر کئے جن کے متعلق یہ ملوک اور سلاطین حسن ظن رکھتے تھے۔ جیسے کوئی فاضل، یا عالم، یا صوفی، یا فقیر، یا کوئی بہت بڑا بزرگ۔ جو لوگ ان کو جانتے تھے وہ تو ان کی قبروں کی زیارت اس نیت سے کرتے تھے کہ ان کے لئے دعا اور استغفار کریں۔ یہ لوگ ان کے نام کی قطعاً دہائی نہ دیتے تھے اور نہ ان کو وسیلہ ہی خیال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرتے اور بخشش مانگتے۔ لیکن ان اصحابِ قبور کو جاننے والے جب خود فوت ہو گئے تو بعد میں آنے والوں نے دیکھا کہ قبر پر ایک شاندار قبہ ومزار تعمیر ہے، جس پر چراغاں بھی ہوتا ہے اور نہایت قیمتی فرش بچھایا گیا ہے اور قبر پر اعلیٰ قسم کے کپڑے کے پردے لٹک رہے ہیں اور قبر کو ہاروں اور پھولوں سے خوب لادا اور سجایا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ ان سے کوئی نفع حاصل کیا جائے یا کسی مصیبت سے نجات حاصل کی جائے۔ اور یہ ان قبروں کے مجاور اِن قبروں کے متعلق طرح طرح کے افسانے تراشتے ہیں۔ یعنی فلاں وقت یہ ہوا اور فلاں زمانے میں وہ ہوا۔ فلاں شخص کو تکلیف دُور ہو گئی اور فلاں شخص کو اتنا نفع ہوا حتی کہ سادہ لوح عوام کے دلوں میں جھوٹا، من گھڑت اور شرکیہ عقیدہ گھر کر جاتا ہے۔ حالانکہ صحیح اور درست مسئلہ وہی ہے جو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو شخص قبروں پر چراغاں کرتا ہے یا ان پر کوئی تحریر لکھ کر لٹکاتا ہے یا قبر پر کسی قسم کی تعمیر کرتا ہے وہ عنداللہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور معروف ہیں جن کی روشنی میں مندرجہ بالا اعمال ممنوع اور حرام ٹھہرائے گئے ہیں اور وہ عظیم خطرہ کا ذریعہ اور سبب بھی ہیں''۔

فیہ مسائل

☆ اوثان کی تشریح وتوضیح۔ ☆ عبادت کا تفصیلی بیان۔ ☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی شے سے پناہ مانگی ہے

جس سے کہ خطرے کا اندیشہ ہو۔ ☆ رسول اکرم ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے اور ان میں مساجد تعمیر کرنے کو ایک جیسا گناہ قرار دیا ہے۔ ☆ ایسے افراد پر اللہ تعالیٰ کے شدید غضب اور غصے کا ذکر جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔ ☆ لات کی عبادت کیسے کی گئی؟ لات عرب کا بہت بڑا بت تھا۔ ☆ اس کی پہچان کہ لات ایک صالح اور بزرگ شخص کی قبر تھی۔ ☆ لات، صاحب قبر کا نام تھا، اس کی وجہ تسمیہ بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہے ☆ رسول اللہ ﷺ نے اُن عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کا اُن لوگوں کو بھی ملعون قرار دینا جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

باب

ما جاء فی حمایۃ المصطفٰی ﷺ جناب التوحید و سد کل طریق یوصل الی الشرک

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اُن اقوال واعمال کی، جو عقیدۂ توحید میں نقص واضمحلال کا باعث بنتے ہیں، کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کیلئے کیا کیا کوششیں فرمائیں۔

قول اللہ تعالیٰ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اُس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اے نبی ﷺ ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ بس کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی (اللہ)، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعاء فرمائی تھی: (ترجمہ) ''اے اللہ! ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول بھیج''۔ (البقرۃ:۱۲۹)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور

فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا اِحسان کیا ہے کہ ان میں اِن ہی میں سے ایک پیغمبر ﷺ مبعوث فرمایا''۔

سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آیا ہے'' (التوبہ: ۱۲۸)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے شاہِ نجاشی سے اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول (ﷺ) مبعوث فرمایا ہے جس کے حسب ونسب کو ہم جانتے ہیں، جن کے اوصافِ حمیدہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، جن کا آنا جانا، سفر وحضر، بیٹھنا اٹھنا اور چلنا پھرنا ہمارے علم میں ہے اور جس کی صداقت وامانت ہمارے ہاں مسلم ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت محمدیہ کا ایک ایک امر اور حکم صاف ستھرا اور نکھرا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہے۔ لوگوں کا ہدایت قبول کرنا اور دینی ودنیوی اُمور میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہونا رسول اکرم ﷺ کا دلی منشاء تھا اور آپ ﷺ کی یہی اصل تمنا اور خواہش تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اِس بات کی وضاحت کردی ہے کہ ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جو جنت کے قریب لے جاتی ہو اور جہنم سے دُور رکھتی ہو اور میں نے وہ بیان نہ کی ہو''۔ (رواہ الطبرانی)۔

رحمت دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو شرکِ جیسی معصیت سے ڈرایا اور اُن اسباب وذرائع سے آگاہ فرمایا جن کی وجہ سے ایک عام آدمی مرتکب شرک ہوسکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے شرک میں مبتلا ہونے کے اسباب بیان کرنے اور اُن کی وضاحت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اُن اسباب وذرائع میں سب سے اہم یہ ہیں: ۱۔ قبروں کی تعظیم کرنا۔ ۲۔ اُن کی تعظیم میں غلو سے کام لینا۔ ۳۔ قبرستان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا۔ ۴۔ قبرستان میں نماز پڑھنا۔ اور اس قسم کے بیشمار اسباب ہیں جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جاچکا ہے اور آئندہ بھی آرہا ہے۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَ صَلُّوْا فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ (رواه ابوداؤد باسناد حسن رواته ثقات)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو (عید یعنی) عرس کی جگہ نہ ٹھہراؤ۔ اور مجھ پر درود وسلام بھیجو کیونکہ تم جہاں بھی رہو یہ دُرود وسلام مجھ

تک بہر حال پہنچتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کرو۔ نماز اور عبادت سے محروم کر کے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ''۔

ہر اُس عام اجتماع کو جو باقاعدہ ہفتے، مہینے یا سال کے بعد منعقد کیا جائے، عید کہتے ہیں۔ مشرکین کی جتنی عیدیں مشہور ہیں اُن میں سے بعض زمان سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض مکان سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کو نازل فرمایا تو ان مشرکین کی زمانی عیدوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام منیٰ جیسی تقریبوں سے نوازا۔ جن عیدوں کا تعلق مکان سے تھا اُن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ المکرمہ، مزدلفہ، عرفہ اور دوسرے مشاعر عطا کئے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دُرود و سلام مجھے پہنچ جایا کرے گا، خواہ تم میری قبر سے قریب رہو یا دُور۔ لہٰذا میری قبر کو زیارت گاہ بنانے کی ضرورت نہیں''۔

وعن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا یَجِیْءُ اِلٰی فُرْجَةٍ کَانَتْ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ فَیَدْخُلُ فِیْهَا فَیَدْعُوْ فَنَهَاهُ وَ قَالَ اَلَآ اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا سَمِعْتُهٗ مِنْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَّ لَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ تَسْلِیْکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَ کُنْتُمْ رَوَاهُ فِی الْمُخْتَارَةِ

سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک میں ایک کھڑکی کے پاس آتا جو آپ ﷺ کی قبر کے پاس تھی۔ اور اس کھڑکی سے اندر داخل ہو کر دُعا کرتا۔ اِمام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے روکا اور فرمایا: آؤ میں آپ کو ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے میرے والد نے میرے دادا سے اور اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری قبر کو میلا (عید اور عرس) اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالینا۔ تم مجھ پر دُرود و سلام بھیجا کرو۔ تم جہاں بھی ہو گے تمہارا درود و سلام مجھ کو پہنچ جایا کرے گا۔ روایت کیا اس کو مختارہ میں۔

علی بن حسین سے امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ خانوادۂ حسین رضی اللہ عنہ میں زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

سے کوئی شخص زیادہ عالم نہ تھا۔امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے افضل مرتبہ کے مالک تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''غور کیجئے! یہ حدیث اہل مدینہ اور اہل بیت سے مروی ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جو نسب و مکان کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔لہٰذا ظاہر ہے وہ دُوسروں کی نسبت زیادہ محتاط، اضبط اور قابل حجت ہیں، اس بنا پر اس حدیث کے لائق استدلال ہونے کے بارے میں کون شک وشبہ کا اظہار کرسکتا ہے؟''۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ کے لئے اِس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ جب بھی نماز کے لئے مسجد میں آئیں، قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر سلام کہیں کیونکہ یہ سلف اُمت کا طریقہ نہ تھا۔پھر فرماتے ہیں:''اِس اُمت کی اصلاح صرف اُن ہی باتوں سے ممکن ہے جن سے قرون اُولیٰ کی اصلاح ہوئی تھی''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا یہ عام دستور تھا کہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کے بعد اپنے کاروبار کے لئے نکل جاتے یا بیٹھ جاتے، قبر نبوی کے پاس سلام کے لئے نہ آتے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ صلوٰۃ وسلام جو ہم نے نماز میں پڑھا ہے وہ کامل اور افضل ترین ہے۔اس کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر صلوٰۃ وسلام کہنے یا وہاں نماز پڑھنے یا دُعا وغیرہ کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (ترجمہ)''میری قبر کو عید و میلا گاہ نہ بنالینا اور تم مجھ پر دُرود بھیجتے رہنا وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے''۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ وسلام دُور سے ہو یا نزدیک سے بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجد اور عبادت گاہ بنالیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک میں ایک دروازہ تھا جس سے انسان اندر جا سکتا تھا اور اس کے بعد ایک دوسری دیوار کا اضافہ کر دیا گیا جس سے ہر شخص اندر داخل ہوسکتا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرۂ مبارک میں قطعاً داخل نہ ہوتے، نہ نماز کے لئے، نہ صلوٰۃ وسلام کے لئے، نہ اپنے یا کسی دوسرے کے لئے دعا کی غرض سے اور نہ کسی حدیث کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کے لئے۔نہ شیطان کو یہ جرات ہوئی کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں اس قسم کا وسوسہ ڈال سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صلوٰۃ وسلام کو سن رہے ہیں تاکہ سننے والے کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے یا ہم سے گفتگو فرمائی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حدیث بیان کی ہے یا سلام کا جواب دیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس نوع کی بدعات سے محفوظ رہے لیکن اس قسم کے وساوس کو دوسرے افراد کے دلوں میں ڈالنے میں شیطان کامیاب ہوگیا جس کی وجہ سے وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ صاحب قبر ہمیں بعض اُمور کے انجام دینے کا حکم صادر کرتا ہے اور بعض سے روکتا ہے، وہ ہمارے سوالات کا جواب دیتا ہے اور ہم سے ہم کلام ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات وہ اپنی قبر سے باہر نکل کر بھی ہم سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہوگیا کہ میت کی روح، جسم کی شکل اختیار کر کے ہم سے ہم کلام ہوتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مختلف ارواح کو دیکھا تھا اور ان سے باتیں بھی کی تھیں۔

صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی طرف یا کسی دُوسری قبر یا مشہد کی طرف قصداً جانا منع ہے کیونکہ اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ اِس قبر کو زیارت گاہ بنالیا گیا ہے، اور یہ ممنوع ہے۔ دوسری بات یہ کہ شرک میں مبتلا ہونے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''تین مساجد کے علاوہ کہیں سفر کر کے نہیں جانا چاہیئے اور وہ یہ ہیں: مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ''۔

فیہ مسائل

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اُمت کو شرک کی چار دیوار سے بے حد دُور رہنے کی ہدایت کرنا۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ جو اُلفت و محبت تھی اور ہماری نجات کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شغف تھا اُس کا مختصر خاکہ۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کی زیارت کی مخصوص صورت سے منع فرمایا۔ ☆ رسول اللہ کا نفلی نماز گھر پڑھنے کی ترغیب دینا۔ ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات مسلم اور معروف تھی کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ جو شخص مجھ پر دُرود و سلام پڑھتا ہے خواہ وہ دور ہو یا نزدیک وہ صلوٰۃ و سلام میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے لہٰذا قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ ☆ اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ میں ہیں اور اُمت کے اعمال میں سے صرف دُرود و سلام ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

باب

باب ماجاء ان بعض هذه الامة يعبد الاوثان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُمتِ محمدی ﷺ کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿سورۃ النساء﴾

کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جِبت اور طاغُوت کو مانتے ہیں۔ اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

اللہ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے اسے وثن کہتے ہیں، وہ حجر وشجر کی صورت ہو یا قبور ومشاہد کی شکل میں۔ کسی نبی اور ولی کی عبادت ہو یا کسی بزرگ اور صالح شخص کی جیسا کہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا: (ترجمہ) ''تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پوج رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو''۔ (سورۃ العنکبوت: ۱۷)

اور مشرکین نے کہا: (ترجمہ) ''انہوں نے جواب دیا'' کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں''۔ (سورۃ الشعراء: ۷۱)۔

مزید فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اس نے کہا'' کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو''؟ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۹۵)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیّی بن اخطب،

اور کعب بن اشرف قریش مکہ کے پاس آئے تو قریش مکہ کہنے لگے کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور مزید برآں تم میں اہل علم بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ بتاؤ کہ ہم اچھے ہیں یا محمد ﷺ؟ اہل مکہ بولے: پہلے تم اپنا تعارف تو کراؤ کہ تم کون ہو اور محمد کون ہے؟ قریش مکہ نے بیک زبان کہا:

☆ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ☆ عمدہ اور موٹی تازی اونٹنیوں کو ذبح کر کے فقراء و مستحقین میں تقسیم کرتے ہیں۔ ☆ پیاسوں کو پانی اور دودھ پلانا ہمارا شیوہ ہے۔ ☆ قیدیوں کو آزاد کرنا ہمارا اصول ہے۔ ☆ حجاج کرام کے لئے پانی کی سہولتیں مہیا کرنا اور ان کی خدمت میں مصروف رہنا ہمارے آباؤ اجداد سے ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ باقی رہے محمد ☆ تو ان کی کوئی اولاد نہیں بلکہ تن تنہا اور اکیلے ہی ہیں۔ ☆ ہمارے خاندانی تعلقات کو اس نے منقطع کر کے رکھ دیا ہے۔ ☆ قبیلہ غفار کے چوروں اور ڈاکوؤں نے اس کی حمایت اور نصرت کا اعلان کر دیا ہے۔ اب بتایئے کہ ہم اچھے ہیں یا محمد ؟ حیّی بن اخطب اور کعب بن اشرف بولے: تم ان سے بہتر اور صحیح راستے پر ہو۔ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے زیر نظر آیات نازل فرمائیں۔

یہی واقع مسند امام احمد میں ابن عباس سے منقول ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ ابوالعالیہ، مجاہد رحمہ اللہ اور حسن وغیرہ نے الجبت سے سحر اور طاغوت سے شیطان مراد لیا ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴿سورۃ المائدہ:۶۰﴾

پھر کہو کیا میں ان لوگوں کی نشان دہی کروں جن کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے۔ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب ٹوٹا۔ جن میں سے بندر اور سُور بنائے گئے جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے کہا: اے میرے رسول ﷺ ان مخالفین سے کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو بتاؤں جو قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوگا؟ تم ہمیں وہی سمجھتے ہو، حالانکہ فرمایا، وہ تم ہی لوگ ہو، جن کی صفات مذمومہ اللہ نے بیان کی ہیں کہ: ☆ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور۔ ☆ اللہ کے غضب کے شکار۔ ☆ ایسا غضب جس کے بعد اللہ کی رضا ناممکن۔ ☆ اور سب سے بڑی مکروہ صفت یہ کہ اس نے تمہیں بندر، اور خنزیر کی شکل میں بدل دیا۔

ایک حدیث میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بندروں، اور خنزیروں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ وہی قوم تو نہیں جن کی شکلوں کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا اور بدل دیا تھا ؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو کبھی ہلاک نہیں کیا یا کہا کہ کسی قوم کو مسخ نہیں کیا، جس کی نسل کو باقی رکھا ہو، بندر اور خنزیر تو پہلے ہی موجود تھے''۔ (رواہ المسلم)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''معالم التنزیل'' میں رقمطراز ہیں کہ قُلْ: رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ اے یہود نامسعود تمہارا ہمارے متعلق یہ کہنا کہ ہمارا دنیا اور آخرت میں بہت کم حصہ ہے اور یہ کہ ہمارا دین تمہارے دین سے ناقص ہے۔ حقیقت میں دنیا اور آخرت میں تم جیسے بدکردار لوگوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہر بری خصلت تمہارے اندر موجود ہے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔

مَثُوْبَةً: یعنی بلحاظ انجام کے کون شخص گھاٹے میں ہے؟ (آؤ میں بتاتا ہوں)

عِنْدَ اللهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللهُ: آخرت میں خسارہ ان لوگوں کو ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون قرار دیا۔

وَغَضِبَ عَلَيْهِ: اور جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اور قہر نازل فرمایا۔ جیسے یہود۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ: یعنی یہ کہ ان کی نافرمانیوں کی بنا پر ان کو بندر اور سور بنا دیا، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب السبت کو بندر، اور عیسیٰ علیہ السلام کے مائدہ کا انکار کرنے والوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

علی بن ابی طلحہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بندر اور خنزیر دونوں ہی اصحاب السبت میں سے ہیں چنانچہ ان کے نوجوان افراد کو بندر، اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ: یعنی ان میں سے بعض لوگوں کو شیطان کی عبادت کرنے والے بنا دیا گیا۔ کیونکہ یہ شیطان کی چال اور اس پھندے میں پھنس گئے۔

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا (سورۃ الکہف:۲۱)

جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے انہوں نے کہا ''ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے''۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں پر کھیل جانے والے نوجوانوں کی قبروں پر انہوں نے وہ مذموم اور مکروہ عمل کیا جس کے کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا''۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مقصد اپنی امت کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں وہ بھی ان یہود و نصاریٰ جیسا

عمل وکردار ادا نہ کرنے نہ لگ جائے۔

عن ابی سعیدخدری رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ أَلْيَهُوْدُ وَ النَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ (اخرجاہ)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلی امتوں کی پیروی میں ایسے برابر ہوجاؤ گے جیسے تیر، تیر سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسو گے۔ صحابہ اکرام نے عرض کی کہ یہود ونصاریٰ کی پیروی ہم کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اور کون ہوسکتا ہے؟

القذہ: تیر کے پر کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو یہود ونصاری کا رکردار تھا، یہ امت بھی بالکل ان کی تقلید کرے گی۔ رسول اکرم ﷺ نے وہاں کے مشرکوں کو یہود ونصاری کے مشرکین کے ساتھ یہ کہہ کر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک تیر کے پر دوسرے تیر کے پر کی طرح ہوتے ہیں اسی طرح تم میں کی اکثریت یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلے گی اور شرک کا ارتکاب کرے گی۔

ایک حدیث میں یوں ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''حتی کہ پہلی امتوں میں سے کسی نے اگر اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسے بد بخت لوگ پائے جائیں گے جو ایسے (غیر انسانی) فعل کا ارتکاب کریں گے''۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کا کوئی برے سے برا عمل بھی میری امت کے لوگ نہ چھوڑیں گے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ: ''اگر ہمارے عبادت گزار اور صوفی بگڑے تو وہ یہود ونصاریٰ سے مشابہت میں برابر ہوں''۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہ دونوں گروہ کس کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت ہے کہ امت محمدی مجموعی طور پر گمراہ نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم یہود ونصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ: اگر وہ نہیں تو ان کے علاوہ اور کون ہے جن کے نقش قدم پر تم چلو گے؟

مطلب یہ ہے کہ ہاں، میری امت یہود ونصاری کی پیروی کرے گی۔

ولمسلم عن ثوبان رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ زَوٰی لِیَ الْأَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَ إِنَّ أُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُهَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا وَ أُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْأَحْمَرَ وَ الْأَبْیَضَ وَ إِنِّیْ سَأَلْتُ رَبِّیْ لِأُمَّتِیْ أَنْ لَّا یُهْلِکَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ وَ أَنْ لَّا یُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی أَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحُ بَیْضَتَهُمْ وَإِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ إِذَا قَضَیْتُ قَضَآءً فَإِنَّهُ لَا یُرَدُّ وَ إِنِّیْ أَعْطَیْتُکَ لِأُمَّتِکَ أَنْ لَّا أُهْلِکَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَّا أُسَلِّطُ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی أَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحُ بَیْضَتَهُمْ وَ لَوْ إِجْتَمَعَ عَلَیْهِمْ بِأَقْطَارِهَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یُهْلِکُ بَعْضًا وَ یُسْبِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

صحیح مسلم میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے سامنے اس طرح سمیٹ دیا کہ میں مشرق و مغرب تک بیک وقت دیکھ رہا تھا۔ اور میری امت کی حدود مملکت وہاں تک جا پہنچیں گی جہاں تک مجھے زمین کو سمیٹ کر دکھلایا گیا ہے۔ اور مجھے دو خزانے عطا فرمائے گئے۔ ایک سرخ اور دوسرا سفید۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے بارے میں عرض کیا تھا کہ اسے ایک ہی قحط سالی سے صفحۂ ہستی سے نہ مٹا دیا جائے اور یہ کہ میری امت پر مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا خارجی دشمن مسلط نہ کیا جائے جو مسلمانوں کے بلاد و اسباب کو مباح سمجھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ اے محمد ﷺ، جب میں کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں نے تیری امت کے بارے میں تمہیں وعدہ دے دیا ہے کہ اسے ایک ہی قحط سالی سے تباہ نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے اپنے افراد کے علاوہ کسی دوسرے کو ان پر مسلط نہیں کیا جائے گا کہ ان کے مملوکہ مال و اسباب کو مباح سمجھ لے اگرچہ کفر کی ساری طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ ہاں مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہیں گے۔

امام ابوداؤد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: پینتیس، چھتیس یا سینتیس سال تک اسلام کا خوب بول بالا رہے گا۔ پھر اگر وہ ہلاک ہو جائیں گے تو ہلاک ہونے والوں کا راستہ ہوگا اور اگر دین ان کو قائم رکھے گا تو پھر ستر سال تک چلے گا، راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا یہ مدت آج کے بعد سے شروع ہوگی یا پہلے سالوں سمیت؟ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے سالوں سمیت۔

سنن ابی داؤد میں مندرجہ ذیل حدیث بھی منقول ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''زمانہ قریب سے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔علم میں کمی واقع ہوتی رہے گی،فتنوں کا عام دور دورہ ہوگا بخل عام ہوجائے گا،اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوجائے گا۔سوال کیا گیا یارسول اللہ ﷺ ہرج کا کیا معنی؟ آپ ﷺ نے فرمایا قتل اور خونریزی''۔

آئمۃ مضلین سے جاہل امراء،علمائے سوٗ ،اور بے علم عبادت گزار مراد ہیں ، جو بغیر علم کے لوگوں کی رہنمائی کریں گے۔اور کتاب وسنت کے خلاف لوگوں کے فیصلے نمٹائیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور اللہ کی مخلوق کو بھی گمراہ کریں گے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن کہیں گے کہ: (ترجمہ)''اے رب ہمارے،ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کردیا''۔

اور بعض اس قسم کے گمراہ اور مضل بھی گزرے ہیں جو اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ میرے مرنے کے بعد بھی اگر تم کو کسی قسم کی ضرورت اور مشکل پیش آجائے تو میری قبر پر آجانا ہم تمہاری مشکل دُور کر دیں گے۔اور یاد رکھیئے اس آدمی سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہے جس کو ایک گز بھر مٹی اپنے ساتھیوں سے جدا کردیتی ہے۔اور یہ صاف گمراہی ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں کو دعوت دے کہ آؤ اللہ کو چھوڑ کر غیر کی عبادت کریں اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کریں،حالانکہ ان پر وہ قادر نہیں ہے اور نہ ان کی مشکلات کو دُور کرسکتا ہے۔ان ہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ)''پھر وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔یہ ہے گمراہی کی انتہا۔وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے،بدترین ہے اس کا مولیٰ اور بدترین ہے اس کا رفیق''۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے: (ترجمہ)''لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہی رکھتے۔ جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہتا ہے:''اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو''۔

قرآن کریم میں اس موضوع کی بے شمار آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ہدایت اور صراط مستقیم کو واضح الفاظ میں گمراہی سے ممتاز اور ممیّز کرتا ہے۔اور بعض لوگوں کی گمراہی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ علی الاعلان اس

بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام اور عزت حاصل ہے کہ جہاں پہنچ کر تمام احکام الٰہی ان سے ساقط ہو چکے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی استغاثہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کو نفع پہنچانے اور تکلیف دینے پر قدرت حاصل ہے۔ اور بعض مواقع پر وہ تدبیر امر بھی کرتے ہیں یہ سب ان کی کرامات ہیں۔ ان کو لوح محفوظ کے اسرار کا بھی علم ہے اور لوگوں کے دلوں کے بھید بھی ان پر واضح ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کی قبروں پر مساجد تعمیر کرنا، اور پھر ان پر چراغاں کرنا جائز اور مستحب سمجھتے ہیں۔

اس قسم کے اور بھی باطل اور خلاف شریعت دعوے، افراط و تفریط، غلو اور عبادت غیر اللہ جیسے اقوال و افعال اور عقائد باطلہ کے وہ قائل ہیں۔ اس نوع کی ہفوات کفر اور ارتداد اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کی خلاف ورزی اب کتنی عام ہو چکی ہے؟۔

ورواه البرقانی فی صحیحه وزاد وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰی أُمَّتِیَ الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّیْنَ وَإِذَا وَقَعَ عَلَیْهِمُ السَّیْفُ لَمْ یُرْفَعْ إِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَلْحَقَ حَیٌّ مِّنْ أُمَّتِ بِالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِی الْأَوْثَانِ وَإِنَّهٗ سَیَکُوْنَ فِیْ أُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ وَ أَنَا خَتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ مَنْصُوْرَةٌ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ أَمْرُ اللهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی

حافظ برقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ کن لیڈروں سے ڈرتا ہوں۔ اور جب ان میں تلوار چل پڑے گی تو قیامت تک نہ رک سکے گی اور اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ میری امت کی ایک جماعت مشرکوں سے نہ جا ملے۔ اور یہ کہ میری امت کے بہت سے لوگ بت پرستی نہ کر لیں۔ اور میری امت میں تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو سب کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ حالانکہ میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور فتحیاب ہوگا۔ ان کی مدد چھوڑنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اِنَّمَا استعمال فرمایا، جو حصر کے لئے بولا جاتا ہے اور جس میں امت کو آئمہ ضلال کی گمراہیوں سے سخت الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کو گمراہ، اور بے دین امراء، حکماء، اور آئمہ سے شدید ترین خطرہ تھا کہ یہ لوگ عوام کو گمراہ کرنے اور پھسلانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ یہ خطرہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے القاء اور اطلاع سے پیدا ہوا، جیسا کہ گزشتہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم پہلی امتوں کی پوری نقالی کرو گے، جیسے تمام پروں کے بال برابر ہوتے ہیں''۔

اسی مضمون پر مشتمل سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے متعلق گمراہ آئمہ وحکام سے شدید ترین خطرہ محسوس کرتا ہوں''۔ (ابوداؤد، طیالسی)۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ آئمہ وحکام سے ڈرتا ہوں''۔

اللہ کریم نے آپنی کتابِ مبین میں صراط مستقیم، اور اس سیدھے راستے کی، جو تمام مومنوں اور صحابہ کرام کا راستہ تھا، بار بار وضاحت فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں شک وشبہ کا کوئی معمولی غبار بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ اور اب جو شخص دین میں کوئی ایسی بدعت پیدا کرتا ہے جس کا کتاب وسنت میں کوئی وجود نہیں ملتا تو وہ شخص عند آ اللہ ملعون ہے اس کی بدعت مردود ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص بدعت پیدا کرے یا بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ نہ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل''۔

ایک جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز جاری کرتا ہے جو اس میں نہیں، وہ مردود اور ناقابل عمل ہے''۔

اور ایک موقع پر یہ الفاظ بیان فرمائے گئے ہیں: ''ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

یہ مندرجہ بالا صحیح احادیث ہیں، جن پر اصول دین، اور احکام شریعت کا دارومدار ہے اور ان احادیث کے مفہوم کو قرآن کریم نے بار بار، اور کئی مواقع پر وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''لوگو: جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو''۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اس کے بعد اے نبی ﷺ ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ

کرو جو علم نہیں رکھتے'' (سورۃ الجاثیہ:۱۸)۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ جو انہوں نے سیدنا زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ کو فرمائے، سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں: ''کیا تمہیں اس چیز کا علم ہے جو اسلام کے گرنے کا باعث بنتی ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم شخص کا پھسل جانا اور منافق کا کتاب اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا اور گمراہ حکام و آئمہ کا فیصلہ، اسلام کے منہدم ہونے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ (دارمی)۔

یزید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جس وقت بھی وعظ وارشاد کے لئے کھڑے ہوتے، یہ جملہ ضرور ارشاد فرماتے: ''اللہ تعالیٰ حق وانصاف سے فیصلہ کرتا ہے اس میں شک کرنے والے ہی ہلاک ہوتے ہیں''۔

زیر بحث حدیث میں قبور کے ان پجاریوں کی زبردست تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کر کے شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ الفاظ وہ درحقیقت توحید سے ناواقفیت کی بنا پر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل شرک پر مبنی ہے اور توحید کے سراسر خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید، تمام اعمال سے زیادہ اہم اور مطلوب ومقصود ہے۔ اور شرک تمام اعمال سیئہ سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

زیر بحث حدیث کی مزید وضاحت صحیح بخاری ومسلم کی روایت سے ہوتی ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ بنو دوس کی عورتوں کے چوتڑ ذوالخلصہ بت کے گرد حرکت نہ کریں گے۔ پھر فرمایا: ذوالخلصہ بنو دوس کا بت تھا، جس کی وہ جاہلیت کے زمانے میں پوجا کیا کرتے تھے''۔

ابن حبان معمر سے روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ اِنَّ عَلَيْهِ الْاٰنَ بَيْتًا مَبْنِيًّا مُغْلَقًا

اب وہ ایسی جگہ ہے جہاں ایک مکان تعمیر ہے اور اس کا دروازہ بند ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بنو ثقیف کے اسلام اور لات کے گرائے جانے کا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہر اس جگہ کو جہاں شرک اور کسی بھی طاغوتی طاقت کی پرستش ہو رہی ہو جہاں تک ممکن ہو، اسے منہدم کر دینا ضروری ہے۔ ایک دن بھی اسے باقی نہ رکھا جائے۔

پھران بڑے بڑے قبوں اور ہر قسم کی تعمیرات کو جو قبوں پر بنائی گئی ہیں، اور جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت ہورہی ہے گرادینا ضروری ہے۔

اسی طرح ان حجر وشجر کو، جن کو لوگ تبرک سمجھتے ہیں اور جن پر نذر ونیاز دیتے ہیں، طاقت وقدرت ہوتے ہوئے فوراً ختم کردینا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کولات، مناۃ، اور عزی کا سا مقام دے دیا گیا ہے یا ان سے بھی بڑھ کر ان کی تکریم ہوتی ہے۔ ان کے پجاری اپنے سے پہلے یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ اور قدم بقدم ان کی تقلید میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کم علمی اور جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں۔

سب سے بڑا ظلم تو یہ ہورہا ہے کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جارہا ہے۔ اسی طرح سنت کو بدعت سمجھ کر رد کردیا گیا اور بدعت کو سنت سمجھ کر اپنا لیا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ کے نشانات ختم ہوکر رہ گئے ہیں۔ اور اسلام کی بیچارگی کا یہ عالم ہے کہ اس پر غور وفکر کرنے کی کوئی شخص بھی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ علمائے حق، اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں اور سفہاء اور احمق لوگوں کا دور، دورہ ہے۔ کوئی کام بھی تو ٹھیک سے نہیں ہورہا ہے۔ مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ اور لوگوں کی بدعملی اور گناہوں کی وجہ سے بروبحر میں فساد برپا ہوچکا ہے۔

لیکن ان ناموافق حالات کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق وانصاف پر قائم رہے گی، جو مشرکین اور مبتدعین سے برسرپیکار ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کرۂ ارضی کا وارث ہوجائے۔ کیونکہ وہی بہتر اور اعلیٰ وارث ہے۔

فیہ مسائل

☆ سب سے اہم مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ جبت اور طاغوت کا مطلب اور معنیٰ کیا ہے؟ ☆ کیا یہ قلبی کیفیت اور اعتقاد کا نام ہے یا جبت اور طاغوت کو باطل سمجھتے ہوئے طاغوت کی عبادت کرنے والوں کی موافقت کا نام ہے ؟ ☆ یہود کا یہ کہنا کہ وہ کافر جو اپنے کفر کو پہچانتے ہیں وہ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ☆ چھٹا مسئلہ جو اصل میں باب سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس جماعت کا امتِ محمدیہ میں ہر وقت پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ امتِ محمدیہ میں بہت سے لوگ غیر اللہ کی عبادت میں مبتلا ہوں گے۔ ☆ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ کلمہ

شہادت کا اقرار کرتے ہوئے نبوت کا اقرار کریں گے جیسے مختار ثقفی نے کیا تھا اور نبوت کے اس دعویدار کا عقیدہ یہ ہوگا کہ وہ بھی اس امت کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم حق اور سچے ہیں۔ خصوصاً محمد ﷺ خاتم الرسل ہیں۔ اس تضاد اور اختلافِ عقائد کے باوجود بعض اس کی تصدیق کریں گے۔ اور اسے نبی مانیں گے۔ مختار کذاب کا دعوٰی نبوت صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں تھا۔ اس قرب کے باوجود بے شمار لوگوں نے اس کی نبوت کا اقرار کیا۔ ☆ اس بات کی بشارت کہ حق وانصاف دنیا سے بالکل ختم نہیں ہوگا جیسا کہ باقی امم کے دور میں ہوا، بلکہ قیامت تک ایک جماعت حق وصداقت کا علَم بلند رکھے گی۔

☆ حزب اللہ کی سب سے بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی تعداد کی قلت کے باوجود جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے۔ یا انہیں ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کریں گے، وہ اس جماعت کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ ☆ حزب اللہ کے وجود کی شرط قیامت تک کے لئے ہے۔ ☆ زیر بحث احادیث میں مندرجہ ذیل علامات کی وضاحت ہوتی ہے:

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بتانا کہ آپ ﷺ پر مشرق ومغرب کی طرف سے زمین سمیٹ کر دکھلائی گی اور جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ حرف بحرف ثابت ہو بخلاف شمال وجنوب کے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمانا کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بتانا کہ امت کے بارے میں میری پہلی دو دعائیں قبول ہوئی ہیں۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بھی واضح کرنا کہ میری تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ بتانا کہ میری امت میں آپس میں تلوار چل جائے گی تو پھر رکنے کا نام نہیں لیگی۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا یہ پیش گوئی کرنا کہ میری امت میں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

☆ آپ ﷺ کا یہ بھی فرمانا کہ ایک گروہ حق وانصاف کی حمایت کرتا رہے گا۔

مندرجہ بالا امور اگرچہ بعید از قیاس ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ جو فرما گئے ہیں وہ حرف بحرف ثابت ہو کر رہا۔

☆ رسول اکرم ﷺ کا امت کے گمراہ پیشواؤں سے خطرہ محسوس فرمانا۔ بلکہ اس بات کو حصر اور مقید کر دینا کہ صرف ان سے ہی خطرہ ہے۔

(۱۱) اوثان کی عبادت کی خود تشریح فرما دینا۔

بابُ

مَا جَآءَ فِی السِّحر

اس باب میں جادو کا بیان ہے

وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (سورۃ البقرۃ:۱۰۲)

اور انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

جس کے وجوہ اور اسباب پوشیدہ اور انتہائی دقیق ہوں اسے لغت عرب میں ''السحر'' کہتے ہیں۔ایک حدیث میں رسول اللہ نے فرمایا: فصاحت بیان میں بھی جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔(بخاری،موطا،مسند احمد)۔

سحر (جادو) کو السحر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر آخر شب میں مخفی طور پر پایا جاتا ہے۔ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الکافی'' میں فرماتے ہیں: ''السحر ان تعویذ گنڈوں اور دھاگوں کی گرہوں کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن اور خصوصاً دل پر اثر کرتے ہیں،جن کی وجہ سے انسان بیمار ہوجاتا ہے۔اور کبھی کبھی اس کی موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔بعض اوقات میاں بیوی میں پھوٹ پڑجاتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے ہیں جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں''۔ (البقرۃ:۱۰۲)۔ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) اور گرہوں میں پھونکنے والوں (والیوں) کے شر سے۔(الفلق:۴)

یعنی وہ جادوگرنیاں جو بوقت جادو،دھاگے وغیرہ میں گرہ باندھتی ہیں اور ہر گرہ میں پھونکتی ہیں۔اگر جادو میں کوئی موصرانہ حقیقت کارفرمانہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کی تلقین نہ کرتا۔

اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا اثر ہوگیا تھا۔یہاں تک کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خیال کرتے کہ کوئی کام کررہے ہیں حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔اُمّ المؤمنین

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس دو فرشتے آئے۔ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے قدموں کے پاس آ کر بیٹھ گیا ایک نے کہا اسے کیا تکلیف ہے ؟ دوسرے نے جواب دیا ''اس کو جادو کر دیا گیا ہے''۔ پہلے نے پھر پوچھا ''اس کو کس نے جادو کیا ''؟ جواب ملا: لبید بن اعصم نے۔ کنگھی میں دھاگے کی گرہیں لگائی ہیں اور اسے کھجور کے خوشہ کے خول میں بند کر کے بئر ذروان میں ڈال دیا ہے''۔(بخاری)۔

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خلاق کا ترجمہ نصیب اور حصہ کیا ہے۔

☆ سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اہل کتاب کو یہ علم تھا اور ان سے عہد لیا گیا تھا کہ آخرت میں جادوگر کا کوئی حصہ نہیں۔

☆ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''جادوگر کا کوئی دین اور مذہب نہیں ہوتا۔

زیر بحث آیت کریمہ سے پتا چلا کہ جادو حرام ہے اور سابقہ تمام مذاہب میں بھی انبیاء علیہم السلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے: ''جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا''۔(طہ:۶۹)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کے نزدیک جادو سیکھنا اور سکھلانا دونوں کفر ہیں۔

عبدالرزاق،صفوان بن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے تھوڑا یا زیادہ جادو سیکھا اس کا معاملہ اللہ سے ختم ہوا''۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

اللہ تعالی نے جادو کو کفر ہی قرار دیا ہے۔ جیسے: ''ہم تو آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو''۔(سورۃ البقرۃ: ۱۰۲)۔سلیمان علیہ السلام نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔(سورۃ البقرۃ:۱۰۲)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ان دونوں کو خیر و شر، کفر اور ایمان کا علم تھا جس کی وجہ سے ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ جادو کفر ہے''۔

وقوله يُؤْ مِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وِالطَّاغُوْتِ۔(سورۃ النساء:۵۱)۔قال عمر أَلْجِبْتُ السِّحْرُ وَ الطَّاغُوْتُ الشَّيْطٰنُ وقال جابر الطواغيت كهان كان سنزل عليهم الشيطٰن فِیْ كلّ حی واحد

ان کا حال یہ ہے کہ وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں۔امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا اور ہر قبیلے کا

الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔

جبت اور طاغوت کیا ہے؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ الجبت بھی جادو میں سے ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے''۔ یہ اثر ابن ابی حاتم وغیرہ نے نقل کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جبت جادو ہے اور طاغوت شیطان ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: طواغیت سے کاہن مراد ہیں اور ان کاہنوں کے پاس شیطان آیا کرتے تھے اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن ابی حاتم نے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ''وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ان طواغیت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جن کے پاس یہ لوگ اپنے فیصلے لے جاتے ہیں؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''جہینہ کا ایک الگ کاہن ہے، بنو اسلم کا علیحدہ کاہن ہے، قبیلہ ہلال کا جدا کاہن تھا۔ غرض یہ کہ ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن تھا اور یہ وہی کاہن تھے جن کے پاس شیاطین آیا کرتے تھے اور ان کو مختلف خبریں بتایا کرتے تھے''۔

سلف امت کے اقوال وارشادات کے مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشنک کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ چیز انسان کو اللہ کی عبادت سے روکے، اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے سدراہ ثابت ہو، خواہ وہ انسان کی صورت میں ہو یا جن کی، شجر وحجر کی صورت میں ہو یا قوانین اسلامیہ کے علاوہ اجنبی دستور کی صورت میں۔ غرض کسی بھی شکل میں ہو، طاغوت کہلائے گی اور ان پر عمل کرنے والے اور نافذ کرنے والے بھی طاغوت کہلائیں گے۔

طاغوت میں وہ کتب بھی شامل ہیں جو عقل انسانی کی ایجاد ہیں، جن سے شریعت اسلامیہ سے دوری پیدا ہونے کا امکان ہو۔

وعن جندب مرفوعاً حَدُّالسَّاحِرِ ضَرْبُهُ بِالسَّيْفِ (رواہ الترمذی)

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

جادوگر کی سزا: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حسن عن جندب الخیر روایت کی ہے کہ وہ

ایک جادوگر کے پاس آئے اور اسے تلوار ماردی، یہاں تک کہ وہ مرگیا۔اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔پھر یہ حدیث بیان کی۔اور جندب الخیر، جندب بن کعب یا جندب بن زہیر ہیں۔بعض نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔

ابن سکن نے بریدہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جادوگر کو ایک ہی وار سے ختم کردیا جائے تاکہ امت متفق رہے۔

قولہٗ حد الساحر ضربع بالسیف

ضربۃ اور ضربہ دونوں طرح روایات میں آیا ہے اور دونوں صورتیں درست ہیں، معنٰی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر جادوگر کے بارے میں فیصلہ دیا ہے کہ اسے قتل کردیا جائے۔عمر ے عثمان، عبداللہ بن عمر، حفصہ، جندب بن عبداللہ، جندب بن کعب، قیس بن سعد، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی یہی ہے کہ جادوگر کو قتل کردیا جائے۔

وفِیْ صحیح البخاری عن بجالة بن عبدة قَالَ کَتَبَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ أَنِ قْتُلُوْا کُلَّ سَاحِرٍ وَّ سَاحِرَةٍ قَالَ فَقَتَلْنَا ثَلَا ثَ سَوَاحِرَ

صحیح بخاری میں بجالہ بن عبدہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہر جادوگر کو خواہ مرد ہو یا عورت قتل کردو۔بجالہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام سن کر ہم نے تین جادوگروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جادوگر کو توبہ کی مہلت دئے بغیر قتل کردینا چاہئیے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے کیونکہ جادوگر کی توبہ سے جادو کا علم زائل نہیں ہوسکتا

وَصَحَّ عَنْ حَفْصَةَ رَضِیَ اللہ تَعَالیٰ عَنْھَا أَنَّھَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِیَةٍ لَّھَا شَحَرَتْھَا فَقُتِلَتْ وَ کَذٰلِکَ صَحَّ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ أَحْمَدُ ثَلَاثَةٌ مِّنْ أَصْحَبِ النَّبِیْ ﷺ

اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ایک لونڈی کو جس نے حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادو کا وار کیا تھا، قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔چنانچہ اس لونڈی کو قتل کردیا گیا۔جندب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگروں کو قتل کرنا رسول اللہ ﷺ کے تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگر کے قتل کی طرف اشارہ کیا ہے۔جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں ابی

عثمان الہندی سے روایت کرتے ہیں کہ ابی عثمان نے کہا: ولید کے پاس ایک جادوگر آیا اور اس نے ایک شخص کو ذبح کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ہم بہت حیران ہوئے اور ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی چند لمحوں کے بعد جادوگر نے اس شخص کا سر دوبارہ ملا دیا اور وہ صحیح سالم ہو گیا۔ اتفاق سے سیدنا جندب الازدی رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے، انہوں نے آگے بڑھ کر جادوگر کو قتل کر دیا۔

امام بیہقی نے یہ واقعہ دلائل النبوۃ میں تفصیل سے لکھا ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ولید نے اس جادوگر کو قید کر دیا تھا۔ یہ واقعہ کئی طرق سے منقول ہے۔

اس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

جادوگر کا قتل کرنا تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (۲) اُمّ المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا۔ (۳) سیدنا جندب الازدی رضی اللہ عنہ۔ واللہ اعلم۔

فیہ مسائل

☆ جبت اور طاغوت کے معنٰی اور ان میں فرق واضح کرنا۔ ☆ طاغوت کبھی جنوں اور کبھی انسانوں میں سے بھی ہوتا ہے۔ ☆ خصوصاً ان سات امور، جو انتہائی مہلک اور جن سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم دیا گیا ہے، کی معرفت۔ ☆ جادوگروں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ ☆ جادوگر کو بلا توبہ کرائے قتل کر دیا جائے۔ ☆ جادوگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی تھے، ان کے بعد ان کا وجود کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے؟

باب

بیان شئ من انواع السحر

اس باب میں جادو کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں

قال احمد حدثنا محمد بن جعفر حدثنا عوف بن حیان ابن العلاء حدثنا قطن بن قبیصۃ عن ابیہ انہٗ سمع النبی ﷺ قَالَ إِنَّ الْعِيَافَةَ وَ الطَّرْقَ وَ الطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مخارق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو اڑانا، زمین پر خطوط کھینچنا اور کسی کو دیکھ کر فالِ بد لینا، سب جادو کی اقسام ہیں۔

شارح کتاب الشیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کرامات اولیاء اللہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان شیطانی شعبدہ بازیوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جن سے عوام، اور جاہل لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہے کہ جس شخص سے اس قسم کی شعبدہ بازی ظاہر ہو وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ پھر کہا ہے کہ اس موضوع پر مفصل احکام سے باخبر ہونا مقصود ہو تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الفرقان بین اولیاء الشیطان'' کا مطالعہ کیجئے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ علم نجوم جادو میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''جادوگر کہیں بھی نجات نہ پاسکے گا''۔ (طٰہٰ:۶۹)

جس قدر علم نجوم زیادہ حاصل کرتا جائے گا اسی قدر گناہ بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ علم نجوم کو موثر سمجھنا گناہ ہے جیسے جادو کو مؤثر خیال کرنا باطل ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

قَالَ عَوْف أَلْعِيَافَةُ زَجْرُ الطَّيرِ وَ الطَّرْقَ أَلْخَطُّ يُخَطَّ بِالْأَرْضِ وَالْجِبْتَ قَالَ الْحَسَنُ رَنَّةُ الشَّيْطٰنِ اسناد جيّد)ولابى داؤد و انسائى و ابن حبان في صحيحه المسند منه

سیدنا عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پرندوں کو اڑانا، عیافہ اور زمین پر خطوط وغیرہ کھینچنا طرق کہلاتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیطان کی چیخ و پکار اور آہ و بکا کو الجبت کہتے ہیں۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

و عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُوْمِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ (رواه ابوداؤد واسنادهٗ صحيح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا۔ تو گویا اس نے اتنا جادو سیکھ لیا اور جس قدر زیادہ سیکھتا جائے گا اتنا ہی اس کی وجہ سے گناہ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

وللنسائى من حديث ابى هريرة مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيْهَا فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُ كِلَ إِلَيْهِ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گرہ دیتے وقت اس میں پھونک

مارے اس نے جادو کیا ہے۔ اور جو شخص جادو کرے اس نے شرک کیا اور جو اپنے جسم پر تعویذ دھاگہ لٹکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

جادوگر جب کسی شخص کو نشانہ بنانا چاہے تو دھاگہ لے کر اسے گرہ دیتے جاتے ہیں اور ہر گرہ پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونک مارتے جاتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے اس قبیح عمل میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کے اس گرہ دینے کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔

گنڈوں پر (پڑھ پڑھ) کر پھونکنے والیوں کی برائی سے۔ (الفلق: ۴)

''نفث'': اس پھونک کو کہتے ہیں جس میں آب دہن کی آمیزش بھی ہو۔ یہ خاص جادوگر کا عمل ہے جب کوئی جادوگر کسی پر جادو سے حملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ارواح خبیثہ اور شیاطین سے بھی مدد لیتا ہے اور اس دھاگے کو گرہ دیتے وقت اس میں ایسی پھونک مارتا ہے جس میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس پھونک سے زہریلا مادہ خارج ہوتا ہے اس پھونک میں خبیث روحیں اور شیطان اس جادوگر کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس گرہ میں پھونک مارتے ہیں۔ چنانچہ جس پر جادو کرنا مقصود ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے جسے اہل علم کی اصطلاح میں اذن کونی قدری کہتے ہیں۔ نہ کہ اذن شرعی، اثر ہو جاتا ہے۔ یہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا خلاصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جادوگر مشرک ہے کیونکہ جادو کا اثر بغیر شرک کے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں سے اس کی حکایات بیان کی ہیں۔

جس شخص کا قلبی تعلق کسی غیر اللہ سے ہو جائے، وہ اس کو معتمد علیہ اور قابل بھروسہ قرار دے لے اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی چیز کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے رب، اپنے مولا، اپنے الٰہ اور اس رب تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے جو ہر چیز کا مالک و مختار تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لیتا ہے اسے ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے اپنی محبت و مودّت کا سلوک کرتا ہے۔ کیونکہ وہی نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ): کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟۔ اور جو شخص جادوگر، شیاطین، یا ان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق پر بھروسہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کی تحویل میں دے دیتا ہے۔ اور پھر انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دل کی آنکھ سے اس قسم کے لوگوں کے حالات پر غور کرے جو غیر اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کر لیتے ہیں

تو اس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، کہ وہ لوگ کس قدر گمراہ، بے بس، اور مایوس نظر آتے ہیں

ابن عبدالرتحیٰی بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ ''جھوٹا اور چغل خور ایک ساعت میں جو فساد برپا کر دیتا ہے۔ جادوگر ایک سال میں بھی اتنا فساد برپا نہیں کر سکتا''۔ ابوالخطاب اپنی کتاب عیون المسائل میں لکھتے ہیں: ''چغلی کھانا اور لوگوں میں فساد برپا کرنا جادو ہی کی ایک قسم ہے''۔ وہ اپنی کتاب فروع میں مزید فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''چغلی کو سحر اور جادو اس لئے کہا گیا ہے کہ چغل خور بھی اپنی باتوں اور عمل سے مکر وحیلہ کر کے دوسرے کو اسی طرح اذیت اور تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ جس طرح کہ جادوگر۔ اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ چغلی کھانا انتہائی اذیت رساں فعل ہے۔ اور اس کا اثر ہی مرتب ہوتا ہے۔ جو جادو کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات چغلی جادو سے بھی زیادہ سنگین اور اذیت رساں ثابت ہوتی ہے قریب قریب دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ البتہ جادوگر کو جادو کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خاص فعل ہے۔ اور اس کی وجہ بھی خاص ہے۔ لیکن چغل خور جادوگر نہیں البتہ دونوں کے فعل سے نتیجہ ایک ہی جیسا نکلتا ہے۔ لہٰذا ساحر اور جادوگر کافر قرار دیا جائے گا بخلاف چغل خور کے۔ کیونکہ اس کے لئے وہی حکم لگایا جائے گا جو کہ اس عمل یا اس کے اثر کے مطابق ہوگا۔ مگر ایسے عمل میں جو کہ موجب کفر یا عدم قبول توبہ ہو''۔

مندرجہ بالا گفتگو سے زیر بحث حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے۔ جو چغلی کی حرمت پر دال ہے۔ اور چغلی کی حرمت پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غیبت اور چغلی کی حرمت پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے البتہ خیر خواہی کے لئے غیبت جائز ہے۔ اور ان کے کبائر میں سے ہونے پر بھی حجت اور دلیل پائی گئی ہے''۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اتنی کثرت سے باتیں بنانا جس سے لوگوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث میں منقول ہے کہ ''بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا لوگوں کی عام عادت ہوگئی ہے''۔

فصاحت و بلاغت اور پوری وضاحت سے اپنی بات بیان کرنا۔ صعصعہ بن صوحان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات مدعا علیہ اصل حق دار کی نسبت، تیز کلام اور چرب زبان ہونے کی وجہ سے، سامعین کو مسحور اور قائل کر کے دوسرے کا حق چھین لیتا ہے''۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ''بعض اہل علم نے اسی بنا پر فصاحت کی مذمت کی ہے کیونکہ یہ جادو ہی کی ایک قسم ہے اور جادو بذات خود مذموم ہے''۔ اکثر اہل علم اور اہل ادب کی ایک جماعت نے فصاحت کی تاویل

مدح سے کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان کی تعریف فرمائی ہے۔ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سائل آیا اور اس نے اپنے سوال کو انتہائی فصاحت و بلاغت سے پیش کیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''واللہ یہ جادو ہے۔لیکن حلال ہے''۔

ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص حق کو پامال کرنے میں فصاحت و بلاغت سے کام لے وہ عنداللہ انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ وہ اس طرح زبان کی کمائی کھاتا ہے جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے''۔(مسند احمد، ابوداؤد)

و عن ابن مسعود أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ أَلَا هَلْ أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ هِيَ النَّمِيْمَةُ اَلْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ (رواہ مسلم)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں العضہ کے بارے میں بتاؤں کہ وہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ وہ چغلی کھانا ہے۔یعنی دو شخصوں میں ایسی بات بنانا جس سے وہ آپس میں لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں۔

ولهما عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ م؟نَالَبَيَانِ لَسِحْرًا (صحیح بخاری ومسلم)

صحیح بخاری و مسلم مین عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فصاحت و بلاغت میں بھی جادو کا اثر ہوتا ہے۔

فیہ مسائل

☆ عیافہ، طرق اور الطیرہ جادو ہی کی اقسام ہیں۔ ☆ عیافہ اور طرق کی مکمل وضاحت اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ☆ علم نجوم بھی جادو کی ایک قسم ہے۔ ☆ پھونک مار کر گرہ دینا جادو ہے۔ ☆ چغلی کھانا جادو کی ایک شکل ہے۔ ☆ بعض اوقات فصاحت و بلاغت سے بات کرنا بھی جادو کہلاتا ہے۔

باب

ماجاء فی الکُھّان و نحوھم

اس باب میں کہانت اور غیب دانی کے بارے میں احکام شریعت کے وضاحت کی گئی ہے

روی مسلم فیْ صحیحہٖ عن بعض ازواج النبیْ ﷺ عن النبیْ ﷺ قال مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات سے مروی ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ، جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا اور اس کی تصدیق بھی کی تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی۔

وہ شیاطین جو کسی نجومی کی بعض باتیں چوری چھپے سن کر دوسروں کو بتاتے ہیں ان کو کاہن کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اکثر شیاطین فرشتوں کی بعض باتیں سن لیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان پر کڑی نگرانی کر دی گئی لہذا اب وہ بہت ہی مشکل سے کوئی بات سن پاتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یہ شیاطین بعض علاقوں کی خبریں دوسرے علاقوں کے کاہنوں کو بتا دیتے تھے۔ جس سے جاہل لوگ ان کاہنوں کی کرامت اور کشف کے قائل ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ ان کو بتانے والے اولیاء اللہ ہیں جو بعض اوقات غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ سیاطین کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ اس کی وضاحت قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ ''ترجمہ: اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔ جو انسانوں میں ان کے دوست دار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے بیشک تمہارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے''۔

زیر نظر حدیث میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ان کاہنوں اور منجموں کو جو بازاروں میں سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے اور فریب دے کر ان کی جبین صاف کرتے ہیں، جو شخص روکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ روکے، ان پر سخت گرفت کرے اور ان کے پاس آنے والے لوگوں کو بھی منع کرے اور سمجھائے۔ ان کاہنوں کی چند ایک باتوں کے صحیح ہو جانے سے ان کے جال میں نہ

پھنسنا چاہئے۔ اور نہ اس فریب میں آنا چاہئے کہ ان کے پاس لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور اس سے بھی دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کہ ان کے پاس علم والے لوگ آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس اہل علم نہیں بلکہ جاہل لوگ آتے ہیں۔ اگر ان کے پاس علم کی دولت ہوتی تو خلاف شریعت امور کا ارتکاب نہ کرتے ان کا حال یہ ہے کہ رات دن محرمات کے ارتکاب میں مبتلا اور مشرکانہ تعویذ گنڈوں میں مصروف رہتے ہیں''۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم مین مندرجہ ذیل الفاظ سے حدیث مروی ہے مزید برآں حاکم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم کی شروط پر پوری اترتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''جو شخص کاہن اور نجومی کی بات کی تصدیق کرے۔ تو گویا اُنے اس دین اسلام کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا''۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تو راوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی تھی لیکن اس روایت کو امام احمد، امام بیہقی اور حاکم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں کاہن اور جادوگر کے کفر پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ علم غیبت کا دعوٰے کرتے ہیں جو سراسر کفر ہے اور ان کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا علم غیب کا دعوٰی کرنا یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ علم غیب جانتا ہے، کفر ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اس پر شاہد ہے: ''اس گھڑی (قیامت) کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے''۔ (سورۃ لقمن: ۳۴)۔

سورۃ الانعام میں ارشادِ ربانی ہے: (ترجمہ): ''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ سورۃ جن میں ارشاد فرمایا گیا کہ: ''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے پسند کرلیا ہو''۔ پس جو شخص عراف یا کاہن کی تصدیق کرتا ہے وہ مندرجہ بالا آیات سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور جو آیات سے کفر کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

وعن عمران بن حصين مرفوعًا لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَتَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَآ أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خود فال نکالے یا اس کے

لئے فال نکالی جائے یا خود کاہن بنے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص کاہن تجویز کرے یا جو شخص خود جادوگر ہو یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص جادوگر کو تجویز کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے شریعت محمدیہ سے کفر کا ارتکاب کیا۔ (رواہ البزار سند جید)۔

یعنی جو شخص خود بدفال لے یا کسی شخص کے لئے کوئی دوسرا فال لے اور وہ شخص جو خود کاہن ہو یا کسی کاہن کے کہنے پر چلے، اسی طرح وہ شخص جو خود جادو کرے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص جادو کرے۔ پس جو شخص بھی ان امور میں مبتلا ہوا، اس سے رحمت دو عالم ﷺ بے زار ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو شرک ہیں۔ جیسے کسی چیز سے بدفال لینا۔ اور بعض کفر ہیں جیسے کہانت اور جادو۔ اور جو شخص ان پر رضامندی ظاہر کرے اور ان کی باتوں پر عمل کرے وہ ان کا ساتھی ہے۔ اس لئے اس نے باطل اور کفر کو قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کاہن، نجومی، اور علم رمل جاننے والے کو عراف کہا جاتا ہے۔ جیسے وہ شخص جو اٹکل پچو سے کام لے کر غیب دانی، اور کشف وغیرہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارے میں جو حروف ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں ہے۔

افسوس کہ لوگوں میں جو موجودہ جاہلیت پائی جاتی ہے وہ سابقہ دور جاہلیت سے بھی بدترین ہے جسے قرآن وحدیث بھی دور نہیں کر سکتے کیونکہ انہوں نے قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور یہی قرآن وحدیث ان کے خلاف بطور حجت پیش ہوگا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان لوگوں کی خوشنما پگڑیوں، لمبی لمبی داڑھیوں اور خوب صورت چہروں کے جال میں نہ آنا چاہیے کیونکہ اس کے پس پردہ جہالت اور کورپن کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص ولایت کا دعویٰ کرتا ہے اور بعض پوشیدہ امور کی اطلاع دینے کو بطور دلیل پیش کرتا ہے وہ اولیاء الشیطان میں سے ہے۔ نہ کہ اولیاء الرحمان میں سے! کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور متقی بندے کے ہاتھ سے کرامت ظاہر کرتا ہے جیسے دعا قبول ہو جانا۔ یا کوئی اچھا عمل سرزد ہو جانا۔ جس میں اس مومن ومتقی کو نہ کوئی دخل ہوتا ہے، نہ طاقت ہوتی ہے اور نہ وہ اپنے ارادے سے یہ کام کرتا ہے۔ برعکس ان ششیاطین کے جو مغیبات اور پوشیدہ امور کی خبر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہر شخص کو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو تمام اولیاء کے سردار اور پیشوا تھے۔ کیا ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کا غلط دعوے کیا؟ اور کیا کوئی خلاف شریعت بات زبان سے نکالی؟ اللہ

جانتا ہے! کبھی نہیں۔ بلکہ ان کی حالت تو یہ ہوتی تھی کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بند نہ ہوتے تھے۔ اور ان کو اس بات کی طاقت نہ کہ اپنے آپ پر ضبط کر سکیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لیجئے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور سلسلہ تلاوت رک جاتا۔ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ نماز میں قرأت شروع کرتے تو پچھلی صفوں میں رونے کی آواز سنائی دیتی۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ رات کے وقت ذکر واذکار میں اتنا روئے کہ بیمار پڑ گئے۔ اور کئی روز تک صحابہ کرام بیمار پرسی کے لئے تشریف لاتے رہے۔

تمیم داری کا یہ حال تھا کہ رات سونے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو جہنم کی آگ کا نقشہ سامنے آجاتا اور ساری ساری رات کروٹ بدلتے رہتے۔ آخر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اگر آپ اولیاء اللہ کی صفات دیکھنا اور پڑھنا چاہتے ہیں تو سورۃ الرعد، سورۃ المومنون، سورۃ الفرقان، سورۃ الذاریات، اور سورۃ الطّور کی تلاوت کیجیے۔ آپ کو اولیاء اللہ کی صفات کا علم ہو جائے گا۔ یہ اولیاء اللہ نہیں ہیں جو جھوٹے دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ اور اللہ کی ان صفات کے خود مدعی ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کی ہوئی ہیں۔ جیسے کبریائی، عظمت اور علم غیب وغیرہ۔ ان کا دعوٰے غیب دانی ہی کفر ہے۔ یہ ولی اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟ ان جھوٹوں اور افترا پرداز شیطانوں کی وجہ سے عوام الناس کی مصیبتوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ جو نسلاً بعد نسل اپنے مشرک اباؤ اجداد سے یہ علوم سیکھ رہے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام کے دلوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ دین حنیف پر ثابت قدم رہنے اور ان باطل امور سے مجتنب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآن کریم میں مومنوں کی صفات کا جا بجا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں سے چند صفات یہ ہیں: (۱)۔ اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ (۲) اپنے عہد و پیمان کو نہیں توڑتے۔ (۳) صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ (۵) بڑے حساب کے تصور سے کپکپا جاتے ہیں۔ (۶) اللہ کی رضا کے لئے صبر کرتے ہیں۔ (۷) نماز قائم کرتے ہیں۔ (۸) اپنا مال اللہ کی راہ میں رات دن خرچ کرتے ہیں۔ (۹) برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔ (۱۰) اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن رہتے ہیں۔ (۱۱) اچھے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (۱۲) زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ (۱۳) جب جہلا سے ملتے ہیں تو سلام کہہ کر نکل جاتے ہیں۔ (۱۴) رات کو قیام کرتے ہیں۔ (۱۵) عذاب دوزخ سے ہمیشہ پناہ مانگتے ہیں۔ (۱۶) خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے۔ (۱۷) بخیلی سے بھی کام نہیں لیتے۔ (۱۸) اللہ کے ساتھ کسی کو نہیں پکارتے۔ (۱۹) کسی کو

ناحق قتل نہیں کرتے۔(۲۰) جھوٹ نہیں بولتے۔(۲۱) لغویات میں وقت ضائع نہیں کرتے۔(۲۲) سحری کے وقت توبہ واستغفار میں گزارتے ہیں۔(۲۳) کسی سائل کو محروم نہیں کرتے۔(۲۴) زنا نہیں کرتے۔

ایسی صفات کے حاملین ہی اصل مین اولیاء اللہ ہیں جن کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں مومنوں کی بیشمار مرقوم ہیں، بلکہ قرآن کریم کی اکثر آیات ایمان اور اہل ایمان کے بارے میں مذکور ہیں۔حقیقت میں یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں۔جہالت اور گمراہی نے عوام کے دلوں پر ایسی گرفت کرلی ہے کہ یہ لوگ ایسے عظیم اوصاف اور اس بلند مرتبہ کو، جو صرف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا حصہ ہی ہے، ایسے افراد میں بھی سمجھ لیا ہے جنہیں پاکیزگی اور گندگی کی بھی تمیز نہیں بلکہ وہ اپنے کپڑوں میں ہی پیشاب کرلیتے ہیں۔انتہائی گندے اور میلے کچیلے رہتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں نہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ان سے ہر نعمت چھن چکی ہے، ان کے اندر اگر کوئی چیز باقی ہے تو وہ صرف حیوانیت ہے۔

ورواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن من حدیث ابن عباس دون قولہٖ "وَمَنْ أَتٰی کَاھِنًا" قال البغوی اَلْعَرَّافُ الَّذِ یَدَّعِیْ مَعْرِفَۃَ الْاُمُوْرِ بِمُقَدَّمَاتٍ یُّسْتَدَلَّ بِھَا عَلَی الْمَسْرُوْقِ وَمَکَانَ الضَّآ لَّۃَ وَ نَحْوَ ذٰلِکَوقیل ھُوَ الْکَھِنُ وَ الْکَاھِنُ ھُوَ الَّذِیْ یُخْبِرُ عَنِ الْمُغِیْبَاتِ فِی الْمُسْتَقْبِلِ وقیل اَلَّذِیْ یُخْبِرُ عَمَّا فِی الضَّمِیْرِ

طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے یہی حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔البتہ اس میں "وَمَنْ أَتٰی کَاھِنًا" سے آگے تک کے الفاظ نہیں ہیں۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عراف کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ جو شخص چند باتیں ملا کر مسروقہ چیز اور جائے سرقہ کی نشان دہی کردے اس کو عراف یعنی نجومی کہتے ہیں۔بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص آئندہ آنے والی خبریں بتائے اس کو کاہن کہا جاتا ہے۔بعض کی رائے یہ ہے کہ جو شخص کسی کے دل کی بات بتائے وہ کاہن ہوتا ہے۔

وقال ابو العباس بن تیمیہ اَلْعَرَّافَ إِسْمُ لِّلْکَاھِنِ وَالْمُنَجِّمُ وَ الرَّمَّالُ وَ نَحْوِھِمْ مِمَّنْ یَّتَکَلَّمُ فِیْ مَعْرِفَۃِ الْاُمُوْرِ بِھٰذِہِ الطُّرُقِ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہانت، تنجیم اور علم رمل وغیرہ کی مدد سے بعض امور کی اطلاع دے اس کو عراف کہتے ہیں۔

وقال ابن عباس فِیْ قَوْمٍ یَکْتُبُوْنَ أَبَاجَادٍ وَ یَنْظُرُوْنَ فِي النُّجُوْمِ مَآ أَرٰی مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَہٗ عِنْدَ اللہِ مِنْ خَلَاقٍ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارے میں جو حروف ابجد وغیرہ لکھ کر حساب کرتے اور نجوم سیکھتے تھے ،فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں ہے۔

فیہ مسائل

☆ قرآن کریم پر ایمان اور کاہن کی تصدیق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ ☆ جس شخص کے لئے کہانت کی گئی ہو، اس کا حکم۔ ☆ جس کی شخص کے لئے فال لی گئی ہو اس کی وضاحت۔ ☆ جس شخص کے لئے جادو کیا گیا ہو اس کا حکم۔ ☆ جو شخص حروف ابجد وغیرہ لکھ حساب کرتا ہے اس کے بارے میں حکم۔ ☆ کاہن اور عراف میں جو فرق ہے اس کی وضاحت۔

باب

ماجآء فی النشرة

اس باب میں جادو وغیرہ اور جنوں کو نکالنے کے علاج کے متعلق امور کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن جابر أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ (رواہ احمد بسند جید، وابوداؤد)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے جادو دُور کرنے کو نشرہ کہتے ہیں اور یہ کام وُہی شخص کر سکتا ہے جو جادُو جانتا ہو۔ القاموس میں ہے کہ یہ بضم النون ہے۔ اس سے شیطانی عمل سے ترتیب دیا گیا نشرہ مراد ہے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔

وَقَالَ سُئِلَ أَحْمَدُ عَنْهَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَكْرَهُ هٰذَا كُلَّهُ وفی الخار عن قتادة رضی اللہ عنہ قلت لابن المُسَيِّب رَجُلٌ بِهٖ طِبٌّ أَو يُؤَخَّذُ عَنْ إِمْرَأَتِهٖ أَيُحَلُّ عَنْهُ أَوْ يُنَشَّرُ قَالَ لَا بَأْ سَ بِهٖ إِنَّمَا يُرِيْدُوْنَ بِهِ الْإِ صْلَاحَ فَأَمَّامَ يَنْفَعُ فَلَمْ يُنْخَ عَنْهُ

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نشرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام صاحب

نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سارے عمل کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید ابن میبّب ((سے پوچھا کہ اگر کسی شخص پر جادو یا کوئی ایسا ٹوٹکا ہو جس سے وہ اپنی عورت کے پاس نہیں آ سکتا۔ آیا اس کا حل کیا جائے یا نشرہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے اصلاح مقصود ہے اور جو چیز فائدہ مند ہو اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔

یہ سعید ابن المسیّب رضی اللہ عنہ کی رائے ہے جس سے ایسا نشرہ مراد ہے جو جادُو کی اقسام پر مبنی نہ ہو۔

وَرُوِی عَنِ الْحَسَن أَنَّهُ قَالَ لَا يَحُلُّ السِّحْرَ إِلَّا سَاحِرٌ قال ابن القيم أَلنُّشْرَةُ حَلُّ السِّحْرِ عَنِ الْمَسْحُوْرِ وَهِیَ نَوْعَانِ احدهما **حَل بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ وَ هُوَ الَّذِیْ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ وَ عَلَيْهِ يُحْمَلُ قَوْلُ الْحَسَنِ فَيَتَقَرَّبُ النَّاشِرُ وَالْمُنْتَشِرُ إِلَى الشَّيْطٰنِ بِمَا يُحِبُّ فَيُبْطِلُ عَمَلَهُ عَنِ الْمَسْحُوْرِ** والثانی **أَلنُّشْرَةُ بِا لرُّقْيَةِ وَ التَّعَوُّذَاتِ وَ الْأَدْوِيَةِ وَ الدَّعْوَاتِ الْمُبَاحَةِ فَهٰذَا جَآئِزٌ**

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جادو کو جادوگر ہی دور کر سکتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادو کیے گئے شخص سے جادو کو دور کرنا نشرہ کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جادو کو جادو ہی سے دور کیا جائے۔ یہ شیطانی عمل ہے جو ناجائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جادو دور کرنے والا اور جس پر جادو کا وار کیا گیا ہے۔ دونوں ایسا فعل کرتے ہیں جس سے شیطان کا قرب حاصل ہو چنانچہ شیطان اپنا اثر دور کر دیتا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

نشرہ کی دوسری قسم وہ ہے جو جھاڑ پھونک، تعوذ، ادویات اور جائز ادعیہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے۔

جادُو دُور کرنے کے جواز میں جن احادیث کو پیش کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ، لیث بن ابی سلیم سے روایت کرتے ہیں، لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ نسخہ تیر بہدف ملا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر پانی والے برتن میں پھونک کر مریض کے سر پر ڈال دیا جائے۔ ان شاء اللہ فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ آیات یہ ہیں: سورۂ یونس آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲۔ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۱۔ اور سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۶۹۔

ابن بطال نے کہا کہ وہب بن منبہ کی کتاب میں ہے کہ ''بیری کے سات سبز اور تازہ پتے لے کر ان کو دو

پتھروں میں پیس کر پانی میں ڈال دو اور اس پانی پر آیۃ الکرسی، چاروں قل پڑھ کر دم کر دو۔ اور پھر بیمار کو تین گھونٹ پلا دو اور باقی پانی سے وہ غسل کر لے۔ یہ نسخہ بیمار کے لئے تیر بہدف ثابت ہوگا، جبکہ جادُو کے ذریعے مرد کو بیوی کی مجامعت سے دیا گیا ہو'۔

فیہ مسائل

☆ جادو کا علاج جادو سے کرنے کی ممانعت۔ ☆ ممنوع علاج اور جس علاج کی رخصت دی گئی ہے اس میں فرق کی وضاحت جس سے شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

باب

مَا جَآءَ فِی التَّطَیُّرِ

اس باب میں شگون اور فال کے بارے میں شریعت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس کو کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کا ذریعہ قرار دینے سے روکا گیا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

درحقیقت ان کی فالِ بد تو اللہ تعالیٰ کے پاس تھی، مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔ **(الاعراف:۱۳۱)**

پرندے یا جانور وغیرہ سے فال لینے کو تطیر کہتے ہیں زیرِ نظر باب میں اس کی ممانعت پر بحث کی گئی ہے۔ مشرکین عرب کی یہ عادت تھی کہ کسی کام کو شروع کرنے سے قبل پرندوں اور حیوانات کے اڑنے اور گزر جانے سے فال لیتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا اور اسے باطل قرار دیا اور امت کو بتایا کہ یہ حرکت نہ حصول نفع کے لئے مؤثر ثابت ہو سکتی ہے اور نہ دفع ضر کے لئے۔

تطیر چونکہ ایک شیطانی اور شرکیہ عمل ہے جو توحید کے سراسر خلاف ہے اس لئے مصنف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی تردید فرمائی ہے۔

قولہ الا انما طآئرھم عند اللہ

پوری آیت کریمہ یہ ہے: ترجمہ: ''جب اچھا دور آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب برا دور آتا تو موسیٰ

اوراس کے ساتھیوں کو اپنے لئے فال بدٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فال بدتو اللہ کے پاس تھی مگران میں اکثر بے علم تھے''۔(سورۃ العراف:۱۳۱) جب فرعون اوراس کی قوم کو صحت وعافیت، اور کشادگی رزق کی نعمتیں کثرت سے میسر آئیں تو خوشی سے پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے کہ ہم ہی اس کے صحیح اور حقیقی حقدار ہیں اور اس کے برعکس جب کبھی مصائب اور قحط سالی وغیرہ کے عذاب میں مبتلا ہوجاتے تو فوراً اپنی اصل بیہودگی پر اتر آتے اور کہتے کہ یہ مصائب وآلام موسیٰ علیہ السلام اوراس کے ماننے والوں کی وجہ سے نازل ہوئے ہیں۔ان کی اس یاوا گوئی کی تردید اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ:''کہ یہ مصائب وآلام اور عذاب الٰہی تمہارے ہی کفر، تکذیب آیات الٰہی اوراس کے رسول کو جھٹلانے کی پاداش میں نازل ہوئے ہیں۔

قولہ ولکن اکثرھم لا یعلمون

یعنی ان کی اکثریت احمق اور جاہل ہے، وہ عقل اور غوروفکر سے کام نہیں لیتے۔اگر ذرا بھی عقل وخرد سے کام لیں تو ان پر یہ بات عیاں ہوجائے کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات میں تو سراسر خیر برکت، سعادت دارین اور کامیابی ہی کامیابی ہے۔اوران انعامات سے وہی شخص بہرہ مند ہوسکتا ہے جو سچے دل سے ایمان لائے اور ہمارے پیغمبر کی اطاعت کرے۔

بعض اوقات کسی مریض کے پاس کوئی صحت مند شخص چلا جائے تو مشیت ایزدی سے اس مخالفت کی بنا پر صحت مند شخص اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ:''کسی بیمار کو تندرست کے پاس نہ لے جایا جائے''۔جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو، اس جگہ کے متعلق فرمایا کہ:''اگر کسی علاقے کے بارے میں پتا چلے کہ وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہیں جانا چاہیے''۔اس قسم کے تمام امراض، تقدیر الٰہی سے پہنچتے ہیں فی نفسہ کوئی مرض متعدی نہیں ہے۔امام احمد اور امام ترمذی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا:''کوئی بیماری متعدی نہیں ہے۔ایک دیہاتی نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ خارش کی پھنسی پہلے پہل اونٹ کے ہونٹ یادم پر ظاہر ہوتی ہے، پھر اتنا بڑا اونٹ سارے کا سارا خارش کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے باندازِ سوال فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ نہ کوئی بیماری متعدی ہے، نہ کوئی بدفالی ہے، نہ الو کا بولنا ہے اور نہ ماہ سفر کی بتدیلی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا فرما کر اس کی زندگی، اس کی مشکلات، اوراس کا رزق سب کچھ لکھ دیا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی وضاحت فرمادی ہے کہ اس قسم کی مصائب ومشکلات صرف اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ صحت وعافیت کی زندگی بسر کرے اور ان اسباب وعلل سے دامن کشاں رہے جن سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، جیسا کہ اسے حکم ہے کہ خواہ مخواہ آگ اور پانی میں نہ کود جائے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور جبلت میں یہ اثر پایا جاتا ہے کہ وہ انسان کو ہلاک کردیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ مجذوم کے پاس جانے سے پرہیز کرے۔ اور ایسے شہر میں جانے کی کوشش نہ کرے جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو۔ کیونکہ وہاں جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دینے کے مترادف ہے۔ اور اس بات کو قطعاً نہ بھولے کہ تمام اسباب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی دوسرے کی کوئی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ کسی سبب کو سودمند یا ضرر رساں بنادے۔

ہاں! البتہ جب توکل علی اور قضا وقدر پر ایمان مضبوط تر ہو جائے، اس قسم کے مریضوں کے پاس جانے میں انسان کے لرزش نہ پیدا ہو، اللہ تعالیٰ پر اعتماد ویقین کمال کی حد تک پہنچا ہوا ہو اور اس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی ہو کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، تو اس صورت میں بعض اوقات انسان اسباب پر حاوی ہو جاتا ہے اور خصوصاً جب کوئی خاص یا عام مصلحت ہو تو انسان کو ضرور جانا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں آپ ﷺ نے ایک مجذوم کو پکڑا اور اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ: ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس پر بھروسہ اور توکل کر کے کھانا شروع کرو''۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ حدیث عبداللہ بن عمر اور سلمان فارسی سے بھی مروی ہے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے واقعے سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے جبکہ آپ ﷺ نے زہر ہلاہل کے جام کو بسم اللہ پڑھ کر پی لیا اور اس زہر نے رتی بھر بھی تکلیف نہ پہنچائی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص اور ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ وہ اپنی فوج سمیت سمندر کی سطح پر ایسے چلے جارہے تھے جیسے خشکی پر محوسفر ہوں۔

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن الحکم نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم میں چند افراد ایسے بھی ہیں جو فالِ بد لیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسہ اور وہم پاتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ اپنے کام سے نہ رُکیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ ہے کہ اس قسم کا تشاؤم اور فالِ بد لینا انسان کے عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ فی نفسہٖ کسی پرندے وغیرہ کے اُڑانے میں تطیر نہیں ہے کیونکہ انسان کا وہم، خوف کھانا اور

اُس کا شرک میں مبتلا ہو جانا اس کے دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو اس امر کی پوری تفصیل سے آگاہ فرمایا اور اس قسم کے تطیر وغیرہ نقصانات اور فساد فی الدین کی وضاحت بیان فرمائی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی علامت نہیں بیان کی اور نہ اس قسم کے خوف و ہراس کی کوئی وجہ جواز ہے تاکہ لوگوں کے دِل مطمئن رہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت راسخ ہو جائے اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات ان کے سینوں میں مستحکم اور مضبوط تر ہو جائیں۔ یہی وہ مقصودِ اعظم ہے جس کی وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا، اور اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے کتابیں بھی نازل فرمائیں، اسی مقصد توحید کی خاطر زمین و آسمان کی تخلیق کی، جنت اور دوزخ کے لئے توحید کو میزان قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے دلوں سے شرک و بدعت کی جڑوں کا کاٹا تاکہ لوگ اہل جہنم کے سے عمل سے دامن کشاں رہیں۔

پس جو شخص توحید کی مضبوط رسی کو تھام لے، اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کو پختہ کر لے تو طیرہ وغیرہ کے دل میں جاگزین ہونے سے پہلے ہی اسکی جڑیں کٹ جائیں گی اور اس کے تمام تخیلات باطلہ ختم ہو جائیں گے

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ہمارے اوپر سے ایک پرندہ چیختا ہوا گزر گیا۔ ایک آدمی کہنے لگا ''بھلائی ہے بھلائی ہے''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ ''دیکھو! اس میں خیر ہے نہ شر ہے''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی اس کی تردید اور ممانعت فرمائی کہ کہیں اس کے دِل میں خیر و شر کی تاثیر کا عقیدہ نہ پیدا ہو جائے۔

چند احادیث اس قسم کی موجود ہیں جن سے بعض علماء نے فال لینے کا جواز پیش کیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) ''تین چیزوں میں نحوست ہے، ۱۔ عورت، ۲۔ گھوڑے، اور ۳۔ مکان میں''۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کا بہترین جواب دیا ہے، فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی میں شوم وغیرہ کے اثبات کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی۔ حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو منحوس اور بعض کو مبارک پیدا کرتا ہے۔ منحوس کے پاس جانے سے نحوست پیدا ہو جاتی ہے اور مبارک اجسام والے افراد سے خیر و برکت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ جیسے کسی کے ہاں صالح لڑکا پیدا ہو تو گھر میں چار چاند لگ جاتے ہیں، اور اگر منحوس لڑکا ہو تو اس کے شر سے سارا گھرانا برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں عورت، گھر اور گھوڑے کی بھی یہی صورت ہے کسی کو نیک بخت، منحوس اور صاحبِ خیر پیدا کرنا اللہ

تعالیٰ ہی کے قبضہ واختیار میں ہے۔ دونوں صورتوں میں فقط اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کو دخل ہے، اللہ تعالیٰ مختلف اسباب ونتائج پیدا کرتا ہے جیسے کستوری سے خوشبو آئے گی جس سے انسان محظوظ ہوتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور گندگی سے بدبو آئے گی جس سے ہر انسان نفرت کرتا ہے۔ ان دونوں قسموں میں فرق واضح ہے۔ یہی صورت مذکورہ حدیث کی۔ پس مبارک ومنحوس اشیاء اور تطیر میں فرق ہے، وہ ایک قسم ہے، اور یہ دوسری قسم''۔

ولهما عن انس **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا عَدْوٰی وَ لَا طِيَرَةَ وَ يُعْجِبُنِی الْفَالُ قَالُوْا وَ مَا الْفَالُ قَالَ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ**

ترجمہ: صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہے اور نہ فال بد کوئی چیز ہے اور مجھے فال پسند ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ فال کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں۔

غیلان کا کوئی وجود نہیں یہ جنوں میں سے جادوگر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جنات میں بھی جادوگر موجود ہیں جو انسانوں میں مختلف خیالات پیدا کرتے ہیں اور معاملات کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کا کہ ''جب بھتنے پریشان کریں تو اذان کہا کرو'' بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کرو۔ اس مفہوم کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ نفی سے مراد غول کے وجود کی نفی نہیں ہے۔ غول کے وجود پر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی حجت اور دلیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ایک طاقچہ میں کھجوریں بھر کر رکھی ہوئی تھیں کہ بھتنے یکے بعد دیگرے آتے اور کھجوریں اٹھا کر لے جاتے''۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''فال خوشی، اور تکلیف دونوں حالتوں پر بولا جاتا ہے۔ البتہ طیرۃ تکلیف دہ حالت کے لئے خاص ہے۔ بعض اوقات خوشی کی حالت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فال کو اس لئے پسند فرمایا ہے کہ جب لوگ اللہ کی طرف سے کسی فائدہ کی اُمید کریں گے اور کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھیں گے تو ان کے حصول کے لئے خواہ سبب ہلکا پھلکا ہو یا بہت بڑا دونوں صورتوں میں خیر ہی ہوگی۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمیدیں اور آرزوئیں ختم کرلیں گے تو سوائے مصائب کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن تطیر میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بدگمانی اور مصائب کی توقع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ تفاؤل کی صورت یہ ہے کہ جب مریض کسی کو یہ کہتا ہوا سنے کہ یا سالم! تو مریض کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب میں بہت جلد صحت یاب ہو جاؤں گا۔ یا کوئی شخص اپنی کسی گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو اور وہ کسی کو یہ کہتا ہوا

سنے کہ یا واجد! تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ میری چیز مجھے ضرور مل جائے گی۔ مندرجہ ذیل حدیث اس کی تائید کرتی ہے:

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ فال کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے فال بہت اچھی لگتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ فال اور چیز ہے اور طیرہ جس کی ممانعت کی گئی ہے، اور چیز ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فال کو پسند کرنے یا اس سے خوش ہونے میں شرک کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، بلکہ یہ انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے کیونکہ فطرف انسانی ہر اُس چیز کو اچھا سمجھتی ہے جو اس کے ذوق کے مطابق ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ''آپ ﷺ کو دنیا میں دو چیزیں پسند ہیں، ایک خوشبو اور دوسری عورت''۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو محبوب گردانتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو اچھی آواز سے اذان اور تلاوتِ قرآنِ کریم کو سننا بہت محبوب تھا۔ آپ ﷺ اچھے اخلاق اور عمدہ خصلتوں اور عادتوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہر اچھی چیز کو، اور جو اُس کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہو اُسے پسند فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور فطرت میں یہ صفت ودیعت فرمادی ہے کہ وہ ہر اچھے نام کو چاہتا اور اُس سے محبت کا خواہاں ہے جس کی وجہ سے انسان طبعی طور پر ان کی طرف میلان رکھتا ہے جیسے انسان کی طبیعت ہے، اسی طرح ان اشیاء کے ناموں میں بھی یہ تاثیر رکھ دی ہے جس سے انسان ان کا نام سنتے ہی خوشی اور مسرت محسوس کرنے لگتا ہے جیسے کامیابی و کامرانی، تندرستی اور سرخروئی اور مبارکبادی وغیرہ الفاظ سنتے ہی انسان کی طبیعت کھلکھلا اٹھتی ہے، دل مضبوط ہو جاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے اور انسان کا جسم ایک تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن مذکورہ اوصاف کے خلاف اگر کوئی چیز انسان کے کان میں پڑے تو غم اور خوف کے آثار دکھائی دیتے ہیں، اور انسان کا جسم ایک گھٹن سی محسوس کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ چیز دنیا میں مصائب و مشکلات کا پیش خیمہ بنتی ہے اور قوتِ ایمانی میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے، بعض اوقات تو یہ چیز انسان کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے''۔

حلیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فال کو اس لئے پسند فرمایا کہ نحوست بری چیز تھی، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر کسی سبب کے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ فال سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھے''۔

ولابی داؤد بسند صحیح عن عقبة بن عامر قال ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحْسَنُهَا الْفَآلُ وَ لَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِىْ بِالْحَسَنٰتِ اِلَّا أَنْتَ وَ لَا يَدْفَعُ السَّيِّاٰتِ إِلَّا أَنْتَ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ

سنن ابوداؤد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کے پاس فال بد کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے فال بہتر ہے۔ اور یہ کسی مسلمان کو کسی مقصد سے باز نہیں رکھتی۔ تم میں سے کوئی شخص ناپسند چیز دیکھے تو یہ دعاء کرے۔ ''اے اللہ، تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاتا اور تیرے سوا کوئی برائی دور نہیں کرسکتا۔ اور تیری مدد کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت، نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے۔

قرآن کریم میں ہے: (ترجمہ) ''اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے۔ کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، اے انسان! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب وعمل کی بدولت ہے۔

اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین کامل رکھتے ہوئے، اور تطیر وغیرہ سے جو بسا اوقات مصائب ومشکلات میں گھر جانے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنا اور مدد چاہنا توحید کا اصل الاصول اور مغز ہے، جو اس دعائیہ جملہ میں پنہاں ہے، حقیقی توکل ہی وہ سب سے بڑا اور عظیم سبب ہے جس سے تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کو ''اَلْحَوْل'' کہتے ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی پر قدرت صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس دعائیہ جملے میں بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قوت کے حول اور قوت کے حصول کی نفی کی گئی ہے جس کا دوسرا نام توحید ربوبیت ہے۔ اور توحید ربوبیت، توحید اُلوہیت کی سب سے بڑی دلیل اور حجت ہے۔

وعن ابن مسعود مرفوعًا اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا وَ لٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ رواه ابوداؤد، والترمذی وصحه وَجَعَلَ آخِرَهُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بدفالی لینے کو دو بار شرک سے تعبیر فرمایا۔ اور ہم میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے باتقاضائے بشریت ایسا وہم نہ گزرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اس کو دفع

کرتا ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کر کے صحیح کہا اور آخری جملہ یعنی ''وَمَا مِنَّا إِلَّا وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ'' کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔

وَ لِاَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَمْرٍو مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ أَشْرَكَ قَالُوْا فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ قَالَ أَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَ لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ وَ لَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ

ترجمہ: مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو فالِ بد اپنے کام سے روک دے اس نے شرک کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس کا کفارہ یہ ہے: ''اے اللہ، تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں اور تیرے پرند کے سوا کوئی پرند نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر اس کو منحوس سمجھتے ہوئے اپنے کام یا سفر سے رُک جانا شرک ہے لہٰذا جو شخص ایسا خلافِ شریعت عمل کرے گا وہ مشرک ہوگا۔ اور اس لحاظ سے کہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد نہیں کیا بلکہ غیر اللہ پر اعتماد کر لیا ہے اس لئے اس کے اس فعل میں شیطان کا عمل دخل اور اس کا حصہ پایا جائے گا۔

وله من حديث الفضل ابن عباس إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا اَمْضَاكَ اَوْ رَدَّكَ

مسند احمد میں سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فالِ بد یہ ہے کہ وہ تجھے کسی کام میں لگا دے یا روک دے۔

جب کوئی شخص تطیر کے بعد اس کے مطابق عمل کرے یعنی یا تو اپنے کام سے رُک جائے یا اُس پر عمل شروع کر دے، تو یہی وہ حد فاصل ہے جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، کیونکہ انسان تطیر پر اعتماد اور بھروسہ کر لیتا ہے۔ اور وہ فال جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اس میں اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے۔ اس میں صرف خوشی اور مسرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور بس۔ اس امتیازی فرق کو بالکل نہ بھولنا چاہیئے۔

فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے قول۔ ☆ مرض کے متعدی ہونے کی نفی۔ ☆ فالِ بد کی نفی۔ ☆ اُلو سے فالِ بد کی

ممانعت۔ ☆صفر کے عقیدہ کی تردید۔ ☆فال کی ممانعت نہیں بلکہ یہ مستحب ہے۔ ☆فال پر مفصل بحث اور اس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت۔ ☆اگر فال بد کے وساوس دل میں پیدا ہوجائیں اور انسان ان کو ناپسند کرے تو یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے یہ وساوس ختم ہوجاتے ہیں۔ ☆جس شخص کے دل میں اس قسم کے وساوس پیدا ہوجائیں ان کو رفع کرنے کی دعاء۔ ☆فال بد کے شرک ہونے کی تصریح۔ ☆قابل مذمت تطیر سے پردہ اٹھا گیا ہے اور پوری تفصیل سے اس نشاندہی کی گئی ہے۔

باب

ماجاء فِی التَّنْجِیْمِ

اس باب میں علم نجوم کے بارے میں شرعی احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔

قال البخاری فی صحیحه قال قتاده خَلَقَ اللهُ هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ زِيْنَةً لِّلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ عَلَامَاتٍ يُّهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا غَيْرَ ذٰلِكَ أَخْطَأَ وَ أَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَ كَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ انتهى

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا ہے۔(۱)۔آسمان کی زینت کے لئے۔(۲)۔شیاطین کو مارنے کے لئے۔(۳)۔ اور بر بحر میں راستے معلوم کرنے کے لئے۔جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور مطلب لیتا ہے وہ خطا کار ہے۔اس نے اپنا حصہ شرعی ضائع کر دیا اور خود کو اس تکلف میں ڈال دیا، جس کا کوئی علم نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''آسمانی سیاروں کی رفتار سے زمین کے حادثات و واقعات کی کھوج لگانے کو تنجیم کہتے ہیں''۔الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وہ علم نجوم جس کی کتاب وسنت میں ممانعت کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ نجومیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ آنے والے فلاں دن یا فلاں مہینے میں یہ حادثہ رُونما ہو گا۔یا اس قسم کی ہوا چلے گی، یا فلاں وقت بارش ہوگی یا فلاں چیز مہنگی ہو جائے گی، فلاں سستی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔اس قسم کی پیشن گوئی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں داخل ہوتا ہے یا

فلاں فلاں ستارے جب جمع یا الگ ہوجاتے ہیں تو اِن کی وجہ سے زمین پر اس قسم کے انقلابات وتغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نجومیوں کا یہ دعویٰ حقیقت میں علم غیب کا دعویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ستاروں میں اللہ کریم نے تین فائدہ رکھے ہیں: ا۔ آسمان کی زینت ہیں۔ ۲۔ مسافروں کے لئے نشانِ راہ ہیں۔ ۳۔ اور شیاطین کے لئے شعلوں کا کام دیتے ہیں جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھے تو اس نے اپنی رائے سے کام لیا جس میں خطا کھائی، اپنا دینی حصہ ضائع کر بیٹھا اور بلا علم تکلف سے کام لیا اور بعض جاہل جو اللہ کے اوامر کو نہیں جانتے انہوں نے ان ستاروں کے متعلق کاہنوں کی سی نئی نئی باتیں بنائیں جیسے یہ کہ جو شخص ان ان ستاروں کی گردش میں شادی کرے گا اس کا سفر یوں ختم ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ کوئی بھی ستارہ ہو اس میں سرخ بھی پیدا ہوتے ہیں اور سیاہ بھی، لمبے اور چھوٹے بھی، خوبصورت اور بدصورت بھی، ان ستاروں اور چار پایوں اور پرندوں کو علم غیب کی چیزوں کا کیا علم ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار سیدنا آدم علیہ السلام تھے جن کو اللہ کریم نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ہر چیز کے نام بتائے''۔

غور فرمایئے، تابعین کرام کے دور میں جو منکرات وبدعات پیدا ہوگئی تھیں ان کی تردید کس انداز سے امام موصوف نے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے تردید کا حق ادا کر دیا ہے۔ مبتدعین کی بیہودگیاں ہر زمانے میں اور خصوصاً تابعین کے بعد سے آج تک بڑھتی ہی چلی گئی ہیں، جنہوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ بعض مقامات میں کم ہیں اور بعض مقامات میں زیادہ۔ جو اللہ کا بندہ لوگوں کو ان سے روکتا ہے اور صحیح راستے کی نشان دہی کرتا ہے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے''۔ ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: (ترجمہ) ''اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نظر اثر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ستارے آسمانِ دنیا میں ہیں جیسا کہ ابن مردویہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''آسمانِ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دھوئیں سے پیدا کیا اور اس میں سورج اور چاند کو روشن کیا اور اسے ستاروں سے مزید فرمایا جس سے شیاطین کو شعلے پڑتے ہیں اور شیاطین سے حفاظت ہوتی ہے''۔

یعنی ان ستاروں سے سمندروں اور جنگلوں میں مشرق ومغرب، اور جنوب وشمال کی جہت کا پتہ لگایا جاتا ہے جس سے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم اِن سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرسکو''۔ یعنی ان سے اپنی منزل مقصود کا تعین کر لیتے ہو۔

اس آیت سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ تم غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہو جیسا کہ نجومیوں کا دعویٰ ہے۔ اس کی تردید اس سے پہلے بتفصیل گذر چکی ہے۔ نجومیوں کے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ جناب قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو تین فوائد اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بیان فرما دیئے ہیں، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اور مطلب نکالے گا تو وہ خطا کار ہوگا اور خیر کثیر سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ایسے کام میں مشغول اور مصروف کر لیا ہے جو سراسر نقصان دے ہے اور فائدہ سے یکسر خالی''۔

سوال: نجومیوں کی بعض باتیں درست ثابت ہوتی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نجومیوں کی بعض باتوں کی حیثیت وہی ہے جو کاہنوں کی ہے یہ ایک بات درست کہتے ہیں اور سو جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کی درست بات کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ بربنائے علم درست ہے بلکہ وہ اتفاقاً درست ثابت ہو جاتی ہے اس میں نجومی کا کمال نہیں ہے۔ پس جو شخص ان کو سچا سمجھتا ہے وہ آزمائش اور فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت (ترجمہ) ''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے، اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامات کا لفظ پہلے کلام پر معطوف ہے۔ وہ کلام جس کو زمین کے متعلق بیان کیا ہے پھر زیادہ وضاحت کی اور آسمان کے بارے میں الگ فرمایا کہ ''وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ'' (یعنی وہ ستاروں سے راستے تلاش کر لیتے ہیں)۔

علم نجوم اور نجومیوں کی تردید اور اُن کے بطلان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات موجود ہیں جیسے: ''جو شخص علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھ لیتا ہے گویا اُس نے جادُو کا ایک حصہ سیکھ لیا، جتنا زیادہ سیکھ لے گا اتنا ہی بڑا جادوگر ہوگا''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)۔ اسی طرح رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی اُمت سے مندرجہ ذیل اُمور کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کرتا ہوں:

ا۔نجوم کی تصدیق سے۔۲۔قضاءوقدر کی تکذیب سے اور۳۔حکام وآئمہ کے ظلم سے''۔(رواہ عبد بن حمید)۔

ابو محجن رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں اپنی اُمت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ محسوس کررہا ہوں:ا۔حکام وآئمہ کا ظلم۔ ۲۔نجوم پر ایمان۔اور ۳۔قضاءوقدر کی تکذیب۔ (رواہ ابن عساکر وحسنہ السیوطی)۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے اپنے بعد اُمت کے بارے میں دو چیزوں کا خطرہ ہے: ا۔قضاءوقدر کی تکذیب اور ۲۔نجوم پر ایمان کا''۔ (مسند ابویعلی،کامل ابن عدی وکتاب النجوم للخطیب وحسنہ للسیوطی)۔

علم نجوم کی تردید میں متعدد احادیث ذکر کی گئی ہیں اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعیدی ارشادات ایک مسلمان کے لئے کافی ووافی ہیں۔

وہ علم نجوم جس سے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد زوالِ شمس، اور جہتِ قبلہ وغیرہ معلوم کی جاتی ہے اُس کا حاصل کرنا ممنوع نہیں کیونکہ یہ اس سے زیادہ نہیں کہ اس سے پتا چل جاتا ہے کہ جب تک سایہ کم ہوتا رہے گا تو سورج مشرقی کنارہ سے وسط آسمان کی طرف بڑھتا جائے گا اور جب سایہ زیادہ ہونے لگے گا تو وسط آسمان سے سورج مغربی کنارہ کی طرف گرنا شروع ہوجائے گا اور یہ ایک صحیح علم ہے جس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے۔البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس فن کے جاننے والوں نے ایسے آلات ایجاد کرلئے ہیں جن کی وجہ سے آدمی سورج کی رفتار کا ہر وقت معائنہ کرنے کا محتاج نہیں رہا(مثلاً گھڑیاں وغیرہ)۔اور جو ستاروں سے جہت قبلہ پر استدلال کیا جاتا ہے تو وہ ایسے ستارے ہیں جن کے مطالعہ سے ایسے اہل علم ائمہ نے قوانین وضع کئے ہیں جن کے دینی شغف اور معرفت اسلام میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے اور ہم ان کو اس معاملہ میں سچا سمجھتے ہیں۔مثلاً کبھی ان ستاروں کو کعبہ میں کھڑے ہوکر مشاہدہ کیا اور کبھی کعبہ سے باہر تو ان کا ادراک ایک مشاہدہ کی خبر ہے اور ہمارا ادراک یہ ہے کہ ہم ان کی خبر کو قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ دینی لحاظ سے ہمارے نزدیک مشکوک نہیں ہیں اور نہ وہ اپنی معرفت میں کوتاہی کرنے والے تھے''۔

ابن المنذر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:وہ چاند کی منزلوں کا علم سیکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے''۔

ابن المنذر نے ابراہیم کا یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ''ان کے نزدیک وہ علم نجوم جس سے بر وبحر وغیرہ میں راستے اور دیگر ضروری چیزوں کا پتا چل سے وہ ممنوع نہیں ہے''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ اور الماذون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''وہ علم نجوم جس سے انسان اپنا سفر صحیح طور پر جاری

رکھ سکے یا جس سے جہت قبلہ یا راستہ معلوم ہو سکے جائز اور مباح ہے لیکن وہ علم نجوم جس سے ایک دوسرے پر اثر مرتب ہونا ثابت ہوگا، وہ خواہ کم ہو یا زیادہ حرام اور باطل ہے''۔

وَكَرِهَ قَتَادَةُ تَعَلُّمَ مَنَازِلِ الْقَمَرِ وَلَمْ يُرَخِّصِ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيْهِ ذكرهٗ حرب عنهما وَ رَخَّصَ فِيْ تَعَلُّمِ الْمَنَازِلِ اَحْمَدُ وَ اِسْحٰقُ

چاند کی منزلیں جاننے کے علم کو سیکھنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکروہ ہے۔ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بالکل اجازت نہیں دی۔ امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے منازل کے سیکھنے کی اجازت دی ہے۔

فیہ مسائل

☆ ستاروں کے پیدا کرنے میں کون کون سی حکمتیں پنہاں ہیں۔ ☆ جو حکمتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ تمام کی تردید۔ ☆ منازل قمر کا علم حاصل کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف۔ ☆ سحر کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اس کی تصدیق کرنے پر وعید۔

بابُ

مَاجَآءَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ بِالْأَنْوَاءِ

اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلاف شریعت ہے۔

قول الله تعالىٰ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (سورۃ الواقعہ)

اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو۔

اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے۔ چاند کی مختلف منزلوں کو انواء کہتے ہیں۔ ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ نہایۃ میں فرماتے ہیں کہ: ''چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور وہ ہر رات اپنے لئے ان منزلوں میں سے ایک منزل تبدیل کرتا ہے''۔ چاند کی مختلف منزلوں کو قرآن کریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے جیسے: (ترجمہ) ''چاند، اس کے

لئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں''۔(یٰسین:۲۹)۔ ہر تیرہ تاریخ کی رات طلوعِ فجر کے وقت مغرب میں چاند غروب ہوجاتا ہے اور اس کے بالمقابل اسی وقت مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اسی طرح پورا دَور ساری منزلوں میں ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب چاند ایک منزل سے غروب کے بعد اس کے بالمقابل منزل سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت بارش ہوتی ہے اور اس بارش کو وہ اس منزل کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہمیں چاند کی فلاں منزل کے ترحم کی وجہ سے بارش ملی اور اس کا نام نور کھا گیا ہے کیونکہ جب چاند مغرب میں جا کر گرتا ہے تو وہ مشرقی مطلع سے دُور ہوجاتا ہے۔

زیرِ نظر آیت کریمہ کی تشریح کے سلسلے میں ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (اس کو حسن بھی قرار دیتے ہیں) ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں اور الضیاء بھی اپنی کتاب المختارہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس نعمت کا یہ شکر ادا کیا ہے کہ تم اسے جھٹلاتے رہو گے یعنی بجائے شکر کرنے کے یہ کہتے رہو گے کہ اب بارش فلاں ستارے اور فلاں برج میں داخل ہونے والی ہے''۔

تمام تفسیروں میں سے مندرجہ بالا تفسیر صحیح ہے۔ سیدنا علی، ابن عباس، قتادہ، ضحاک رضی اللہ عنہم اور عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مندرجہ بالا تفسیر ہی منقول ہے اور جمہور مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مصنف نے بھی اِسی وجہ سے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ''تم نے اپنا حصہ اس رزق (قرآن) سے، جس سے تمہاری زندگی قائم ہے، یہ بنا رکھا ہے کہ تم قرآنِ کریم کی تکذیب ہی کرتے رہو گے''۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تم نے قرآن کریم میں سے اپنا حصہ صرف یہ حاصل کیا ہے کہ اس کی تکذیب ہی کرنا ہے''۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: ''وہ شخص بہت ہی گھاٹے میں ہے جس کا قرآنِ کریم میں سوائے تکذیب کے کوئی حصہ نہیں''۔

وعن ابی مالك الاشعری أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَرْبَعٌ فِیْ أُمَّتِیْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ لَا یَتْرُكُوْنَهُنَّ اَلْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ وَ الطَّعْنُ فِی الْأَنْسَابِ وَالْاءِ سْتِسْقَآءُ بِالنُّجُوْمِ وَ النِّیَاحَةُ وَقَالَ اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ عَلَیْهَا سِرْیَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ (رواہ مسلم)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت جاہلیت کے چار کام

ترک نہیں کرے گی: ۱۔خاندانی شرافت پر فخر کرنا۔ ۲۔نسب میں عیب نکالنا۔ ۳۔ستاروں سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا اور ۴۔نوحہ کرنا۔ پھر فرمایا۔نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے بدن پر تارکول کا کرتہ اور خارش کی درع پہنائی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ بعض افرادِ اُمت ان چار اُمور پر، ان کی حُرمت جاننے کے باوجود یا لاعلمی کی وجہ سے عمل کرتے رہیں گے، حالانکہ یہ اُمورِ جاہلیت اور اُن کی یاد انتہائی مذموم اور مکروہ ہے لیکن اس کے باوصف لوگ اس میں مبتلا رہیں گے۔ جاہلیت سے، قبل از نبوت کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ اُس وقت جہالت عام تھی۔حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہو وہ جاہلیت ہی کی رسم ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنی نبوت سے پہلے کی بہت سی رسموں کی ممانعت فرمائی ہے۔کون کون سے کام جاہلیت پر مبنی ہیں؟ یہ اُور قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کے گہرے مطالعے سے انسان پر منکشف ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل کتاب ''مسائل الجاہلیہ'' تصنیف فرمائی ہے جس میں ان تمام اُمور کا مختصر طور سے بیان آ گیا ہے جن کی رسول اللہ ﷺ نے مخالفت کی ہے اور جن کا جاہلیت سے خاص تعلق ہے۔ان اُمور کی تعداد تقریباً ایک سو بیس تک پہنچ گئی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جاہلیت کے بعض اعمال لوگ ترک نہیں کریں گے اور اس حدیث میں ان ہی لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اُمور جاہلیت اور ان پر عمل کرنا شریعت اسلامیہ میں انتہائی مذموم، ناپسندیدہ فعل ہے۔اگر ناپسندیدہ نہ ہوتا تو ان اعمال کو جاہلیت کی طرف منسوب کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ان اُمور کو جاہلیت کی طرف منسوب کرنا ہی ان کی ناپسندیدگی اور مذمت کی دلیل ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھائی پھرو''۔(الاحزاب:۳۳) اس آیت میں تبرج کی مذمت کی گئی ہے اور خصوصاً جاہلیت کی حالت کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔اس میں دورِ جاہلیت کے لوگوں سے مشابہت کی بھی ممانعت کی گئی ہے''۔

اپنے آباء واجداد اور ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگوں پر اظہارِ فخر کرنا، یہ جہالت اور دیوانگی کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت وشرف کے حصول کا تعلق صرف تقوی اور پرہیزگاری سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔(الحجرات:۱۳)۔دوسری جگہ ارشاد فرمایا: (ترجمہ) ''یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد

نہیں ہے جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے اُن کے عمل کی دُہری جزا ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے''۔ (السبا: ۳۷)۔

سنن ابی داؤد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور آباء واجداد کا فخر دُور کر دیا ہے اب یا تو متقی مومن ہوگا یا فاجر و فاسق، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اب لوگوں کو قومی فخر و مباہات کو ترک کر دینا چاہیئے کیونکہ وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں یا پھر وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے''۔

ایک دفعہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی والدہ کے نسب کے بارے میں عار دلائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''تو نے اُس کی اُس کی ماں کے بارے میں عار دلائی ہے، ابھی تمہارے اندر جاہلیت کی بو موجود ہے''۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حسب نسب میں عیب نکالنا بھی اعمالِ جاہلیت میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی مسلمان میں بھی ایسے اعمال، جن کا تعلق جاہلیت، یہودیت اور نصرانیت سے ہے، پائے جاتے ہیں، ان سے کوئی مسلمان کافر یا فاسق نہیں ہو جاتا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس قسم کی معمولی لغزش سے انسان کافر نہیں ہو جاتا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا جابر السوائی سے ایک روایت نقل کی، جس میں جابر سوائی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ ہے: ۱۔ ستاروں کے ذریعے سے بارش طلب کرنا۔ ۲۔ بادشاہ کا ظلم۔ ۳۔ اور قضاو قدر کی تکذیب''۔ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ''ہمیں فلاں منزل یا فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ملی) تو وہ دو حال سے خالی نہیں: ایک یہ کہ کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ بارش برسنے میں ستاروں کو بہت بڑا دخل اور اثر حاصل ہے۔ پس یہ عقیدہ کفر اور شرک کا ہے۔ قبل از بعثت مشرکین عرب کا یہی عقیدہ تھا جیسا کہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ میت یا غائب کو پکارنا قرین صحت ہے، کیونکہ وہ نفع پہنچانے اور مصائب دور کرنے پر قادر ہیں۔ اس کو شریعت اِسلامیہ نے شرک سے تعبیر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ چھوڑے اس کے ساتھ جنگ کی جائے۔ اِسی کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کیلئے ہو جائے'' (انفال: ۳۹)۔

اس آیت میں فتنہ سے شرک مراد ہے۔

دوسرے یہ کہ "مُطِرنَا کَذَا وَ کَذَا" (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) وغیرہ کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی موثر اور بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یونہی بر بنائے عادت اور لوگوں کی دیکھا دیکھی اس نے یہ جملہ کہہ دیا۔ اس بارے میں صحیح موقف یہ ہے کہ مجازاً بھی بارش کو کسی ستارے کی طرف نسبت کرنا حرام ہے جیسا کہ ابن مفلح نے اپنی کتاب "الفروع" میں اس کی تصریح کی ہے کہ "مُطِرنَا کَذَا وَ کَذَا" (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) کہنا حرام ہے۔ اور صاحبِ انصاف نے اس کی حرمت پر آخری فیصلہ دیا ہے۔ یعنی اگرچہ یہ مجازاً ہی کہا گیا ہو مگر اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس کی حرمت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ کہنے والے نے ایک ایسے فعل کی نسبت ایسی مخلوق کی طرف کی ہے جس کو اس فعل پر قطعاً کوئی قدرت نہیں ہے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور مسخر ہے اور اسے نفع اور ضرر دینے پر ذرّہ بھر بھی اختیار نہیں ہے۔ اس نسبت کو ہم شرکِ اصغر کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

کسی کے فوت ہونے پر بین کرنے کو النیاحۃ کہتے ہیں کیونکہ بین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر ناراض ہو کر ہی تو بین کرے گا۔ بین کرنا صبر کے سراسر خلاف ہے اور شریعت اسلامیہ میں کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے جس پر سخت وعید آتی ہے اور اس کی تردید میں بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ کے اس جملے میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، توبہ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے اور اعمالِ صالحہ اور حسنات سے بھی بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، نیز مصائب ومشکلات میں ابتلاء سے بھی انسان کے گناہ دُل جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے لئے دعا کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کرنے سے بھی گناہ دُھل جاتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ بھی گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے جبکہ انسان مشرک نہ ہو، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اُس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ جان کنی کا وقت نہ آ جائے"۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "سربال، سرابیل کا واحد ہے، یہ قمیص کے علاوہ دوسرے کپڑوں پر بھی بولا جاتا ہے"۔ یعنی ان کپڑوں کو گندھک سے لیپ دیا جائے گا اور وہ ان کے لئے قمیص کی طرح ہو جائے گا تاکہ ان کے جسموں پر آگ خوب بھڑکے اور ان کی بو بدترین قسم کی ہو اور خارش کی وجہ سے ان کی تکلیف بہت

سخت ہوجائے۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قطران کا ترجمہ ''پگھلا ہوا تانبہ'' کیا ہے۔

ولهما عن زيد بن خالد قَالَ صَلّٰى لَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَلٰوةَ الْبُحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى إِثْرِسَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْقَالُوْا اَللهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِىْ مُؤمِنٌ بِىْ وَ كَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤمِنٌ بِىْ كَافِرٌ بِالْكَوَاِبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِىْ مُؤمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ

صحیحین میں زید بن خالد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز ایسی رات میں پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج صبح میرے بہت سے بندے مومن ہوگئے اور بہت سے کافر۔پس جس نے کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں سے اس نے کفر کیا۔اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انواء کی وجہ سے اور ان کے اثر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو یہ شخص کافر ہے کیونکہ وہ شرک فی الربوبیت کا مرتکب ہوا ہے اور ہر مشرک کافر ہوتا ہے اور جو شخص انواء وغیرہ کی تاثیر کا معتقد نہیں بلکہ اس نے رسماً یہ جملہ کہہ دیا ہے تو یہ شرکِ اصغر ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی ستارے میں کسی قسم کا کوئی بھی سبب بارش برسنے کا نہیں رکھا۔یہ تو اس کا خاص فضل اور احسان ہے کہ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے روک لیتا ہے۔زیر بحث حدیث اس بات پر واضح دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ افعال، جن کا تعلق صرف اللہ کی ذات سے ہے ان کو غیر اللہ کی طرف مجازاً بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا چاہیئے۔فضل اور رحمت اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے، یا، رسول اللہ ﷺ نے جو صفات، اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہیں، وہ صفات قائم بالذات ہیں، کسی غیر کی محتاج نہیں، خواہ وہ صفات ذات سے تعلق رکھتی ہوں جیسے حیات، علم یا افعال سے، جیسے رحمت وغیرہ۔اس مسئلے کو خوب غور سے سمجھ لینا چاہیئے، کیونکہ اس مسئلے میں بہت سے لوگوں نے لغزش کھائی اور

گمراہ ہوئے ہیں۔ زیرِ نظر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کو صرف اسی کی طرف منسوب کرنا چاہیئے اور اسی ایک کی تعریف کرنی چاہیئے۔ اہل توحید کا یہی شیوہ ہے کہ وہ فقط اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔

اور اس مقام پر کفر کی حقیقت کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے، اسی لئے بعض علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ کہنے والے کا عقیدہ ستاروں میں تاثیر کا نہ ہو، اس کو کفرانِ نعمت سے تعبیر کیا جائے گا کیونکہ نسبت غلط ہوگئی ہے۔

فیہ مسائل

☆ ان چار امور کا ذکر جو جاہلیت کی رسوم سے تعبیر ہیں۔ ☆ ان چار اعمال میں سے بعض کا کفر ہونا۔ ☆ بعض کفر ایسا بھی ہے جو انسان کو ملت اسلامی سے خارج نہیں کرتا۔ ☆ انعام واکرام کے نزول کی وجہ سے بعض اوقات انسان کا کافر ہونا۔ ☆ اس مقام پر ایمان کی حقیقت کو سمجھنا۔ ☆ اس مقام پر کفر کی حقیقت کو سمجھنا۔ ☆ اس بات کو سمجھنا کہ فلاں ستارے کی تاثیر صحیح ثابت ہوئی۔ ☆ طالب علم کو بات ذہن نشین کرانے کے لئے اُستاد کا سوالیہ جملہ استعمال کرنا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تھا کہ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ یعنی کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ ☆ بَین کرنے والی کو سخت ڈانٹ پلانا۔

باب

فی قولہٖ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کی محبت اسلام کی بنیاد ہے اسی محور کے گرد اسلام کی چکی گھومتی ہے۔ جس شخص کا اسلام مکمل ہوگا اس کی اللہ سے محبت بھی کامل ہوگی۔ اور جس کا اسلام ناقص ہوگا اس کی محبت بھی ناقص ہوگی۔ لہٰذا اسی مناسبت سے مصنف

رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی محبت کے متعلق باب قائم کیا ہے۔اور اس باب میں اسی موضوع پر بحث ہوگی۔ان شاء اللہ۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیئے۔(سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مدارج السالکین میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''جو شخص غیر اللہ سے ایسی والہانہ محبت رکھے جیسی کہ اللہ سے کی جاتی ہے تو گویا اُس نے اس غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دے لیا۔ یہ معبود محبت میں ہوگا نہ کہ تخلیق اور ربوبیت میں کیونکہ لوگ ربوبیت اور تخلیق میں غیر اللہ کو معبود نہیں بناتے بلکہ محبت میں بناتے ہیں۔اس لئے کہ اکثر لوگوں نے غیر اللہ سے ایسی محبت قائم کر رکھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و توقیر سے تجاوز کر گئے ہیں''۔

اس آیت کے معنی میں علماء کے دونوں قول نقل کئے گئے ہیں: ا۔''جو لوگ مومن ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت، ان کی مشرکین کی، اپنے معبودانِ باطل کی محبت اور عظمت سے کہیں زیادہ ہے''۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مطلب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:''ان پر فخر و مباہات کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے ہیں، ایمانداروں کی اللہ سے محبت، ان کافروں کی اپنے بتوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہے''۔ پھر اس کے بعد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ:''ان مشرکوں کے شریک اِن کے وہ معبودانِ باطل ہیں جن کی وہ اللہ کے ساتھ پرستش کرتے ہیں، وہ اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے ایماندار اللہ سے محبت رکھتے ہیں، لیکن ایمانداروں کی اللہ سے محبت بہر حال کفار کی، اپنے معبودوں کی محبت سے کہیں بڑھ کر ہے''۔

۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت زیادہ قوی ہے مشرکین کی اُس محبت سے جو وہ اپنے معبودانِ باطل سے کرتے ہیں کیونکہ مومنین کی محبت خالص اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور مشرکین کی محبت کئی مقامات میں بٹی ہوئی ہے، ایک اللہ سے اور دوسری معبودانِ باطل سے۔خالص اور صرف اللہ سے محبت بہر صورت مشترکہ محبت سے قوی تر اور افضل ہے۔

مندرجہ بالا دونوں معنی آیت ''يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ'' سے ماخوذ ہیں کیونکہ اس میں بھی وہ قول ہیں:

۱۔ پہلا یہ کہ مشرکین اپنے باطل معبودوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے لیکن اس محبت میں انہوں نے اپنے معبودوں کو شریک بنا رکھا تھا۔

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ مشرک اپنے باطل معبودوں سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے مومنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمادی کہ مومنین کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس سے کہیں زیادہ قوی اور پختہ ہے جو مشرکین کی اپنے باطل معبودوں سے ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت اس لئے فرمائی ہے کہ انہوں نے محبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے باطل معبودوں کو شریک بنا رکھا ہے کیونکہ انہوں نے مومنین کی طرح خالص اللہ سے محبت نہیں کی۔ مشرکین کی محبت میں اللہ اور معبودانِ باطل سے برابری کا ذکر مشرکین کے اپنے قول سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کیونکہ مشرکین اور اُن کے باطل معبود جب اکٹھے دوزخ میں جمع ہوں گے تو مشرک اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ: (ترجمہ) اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے''۔ (الشعراء: ۹۷ تا ۹۸)۔ یہ بات واضح اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشرکین نے توحید ربوبیت اور خلق اشیاء میں اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر ہرگز نہیں سمجھا تھا بلکہ وہ صرف محبت اور عظمت میں برابری کے قائل تھے اور یہی برابری ہے جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے کہ: (ترجمہ) ''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔ پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں''۔ یعنی مشرکین نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عظمت میں شریک ٹھہرایا اور دونوں کو برابر کا درجہ دیا''۔

مشرکین مکہ شرک فی الالوہیت میں گرفتار تھے البتہ شرک فی الربوبیت سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے لیکن افسوس کہ آج کا مشرک شرک فی الالوہیت میں تو گرفتار تھا ہی، اب شرک فی الربوبیت میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے جیسا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ فوت شدہ افراد کو دنیوی معاملات میں تصرف حاصل ہے۔ العیاذ باللہ۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دو ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ (آل عمران: ۳۱)۔ اس آیت کریمہ کو

آیتِ محبت بھی کہتے ہیں۔یعنی سلف اُمت سے منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعوی کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔اس آیت کریمہ میں محبت کا معیار اور پھر محبت کے فوائد وثمرات کا بھی ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ سے محبت کی سب سے بڑی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کے طریق زندگی کو مشعل راہ بنالے۔اور پھر اس کا عظیم فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔پس جب انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اس کو حاصل نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ: (ترجمہ) ''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کردے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے''۔(المائدۃ:۵۴)۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے والوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں:۱۔پہلی یہ کہ وہ آپس میں انتہائی شفیق اور رحم دِل ہوتے ہیں۔آپس میں ایک دوسرے سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔عطا رحمۃ اللہ علیہ مومن کی خصلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا شخص مومنین کے لئے ایسا نرم ہوتا ہے جیسے بیٹا باپ کے سامنے یا غلام اپنے آقا کے سامنے، اور کافروں کے لئے ایسا سخت ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر، قرآن کریم میں: ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ''۔

۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے نفس، اپنے ہاتھ، اپنی زبان اور اپنے مال سے جہاد کرتے ہیں۔حقیقت میں یہی وہ علامت ہے جس سے اصل محبت کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ ان کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں کسی کی ملامت اور مخالفت سے نہیں گھبراتے۔سچی محبت کی یہ سب سے بڑی علامت ہے۔

محبت کا دعویٰ کرنے والا اگر اپنے محبوب کی محبت میں کسی سے خوف اور ملامت کا ڈر یا خطرہ محسوس کرے تو وہ حقیقی محبّ کہلانے کا مستحق نہیں۔قرآن کریم میں ہے: (ترجمہ) ''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کررہے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہوجائے اور وہ اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں''۔(بنی اسرائیل:۵۷)۔اس آیت کریمہ میں اللہ

تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں:

۱۔ اَلْحُبّ: محبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب کا قرب کسی نہ کسی صورت میں حاصل ہو جائے۔

۲۔ التَوَسُلْ: یعنی اعمالِ صالحہ کر کے محبوب تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اَلرّجَاء خوف: یہ دونوں وصف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ کا وسیلہ اُم، رحمت اور خوفِ عذاب سے ایک زائد عمل ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اُسی کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے محبت اور دِلی لگاؤ ہو۔ محبوب کا قرب اس کی ذات کی محبت کے تابع ہے۔ فی نفسہٖ محبوب کا قرب کوئی معنے نہیں رکھتا یہ محبوب تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ فرقہ جہمیہ اور معطّلہ کے ہاں اِن سب اُمور کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اللہ کسی کے قریب آتا ہے اور نہ اُس کے قریب کوئی جا سکتا ہے۔ اُس کی ذات سے نہ کوئی محبت کرتا ہے اور نہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے۔ ان دونوں فرقوں نے: ☆ دلوں کی حیات اور زندگی کا انکار کیا۔ ☆ رُوح کی نعمتوں اور اُس کی آسائشوں کو ناقابل فہم سمجھا۔ ☆ نفوس کی تروتازگی سے انحراف کیا۔ ☆ آنکھوں کی ٹھنڈک سے محرومی کے قائل ہوئے۔ ☆ دنیا و آخرت کی اعلیٰ نعمتوں کی تردید کی۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اُن کے دِل سخت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان معرفت اور محبت کے حصول کی راہ میں بہت سے پردے حائل کر دیئے گئے۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ: ☆ یہ لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں، ☆ نہ محبت کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ ☆ بلکہ وہ ان لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں جو اللہ کے اسماء وصفات اور اس کی جلالتِ شان کا تذکرہ کرتے رہے ہیں اور ان پر ایسی بیماریوں کی تہمت لگاتے ہیں جن کے وہ خود زیادہ مستحق ہیں۔ ☆ اور صاحب بصیرت اور زندہ دِل لوگوں کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے کلام میں سختی اور ناخوشی اور نفرت محسوس کرتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور توحید سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''محبت کی اس سے زیادہ واضح تعریف اور کوئی نہیں ہو سکتی اور حدود (تعریفوں) سے اس کی ذات کی پوشیدگی اور بڑھ جاتی ہے اور اس کی تعریف خود اس کا اپنا وجود ہے اور محبت کی صفت اس سے زیادہ واضح اور کوئی نہیں کہ ''محبت محبت ہے'' اور لوگوں نے جو اس پر یہ گفتگو کی ہے تو وہ اس کے اسباب و موجبات اور علامات و شواہد اور ثمرات و احکام پر گفتگو کی ہے۔ محبت کی تعریف میں جو جامع

بات کہی گئی وہ وہ ہے جس کو ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ نے جنید بغدادی سے نقل کیا ہے۔ ابوبکر الکتانی فرماتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ موسم حج میں مختلف ممالک سے علما اور شیوخ مکہ مکرمہ میں جمع تھے کہ محبت الٰہی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ اس اجتماع میں سب سے کم عمر جنید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علماء نے پوچھا کہ آپ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ جنید رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے علمائے کرام کی یہ فرمائش سن کر دم بخود رہ گئے اور چند منٹ کیلئے سر جھکا دیا۔ پھر سر اُٹھایا تو آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح بہہ رہے تھے اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: (ترجمہ) ''بندہ اپنے آپ سے بے خود ہو، اپنے ربِّ کریم کے ذکر میں مصروف ہو، اس کے حقوق کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول ہو، دلی توجہ سے اس کی طرف نظر جمائے ہوئے ہو ربِّ کریم کے ڈر اور خوف کے نور نے اُس کے دل کو جلا دیا ہو۔ اور اللہ کی محبت کے پیالے سے خالص مشروب پیتا ہو اور اُس کے غیب کے پردوں سے اس کیلئے حیا واضح ہو جائے اگر وہ بولتا ہے تو اللہ سے، بات کرتا ہے تو اللہ کی، حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے، سکون میں آتا ہے تو اللہ سے۔ پس یہ بندہ ناچیز اللہ کیلئے، اللہ کیساتھ اور اللہ ہی کی معیت میں ہے جنید رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے مندرجہ بالا کلام نکل رہا تھا اور تمام علمائے کرام پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور سب علمائے کرام زار و قطار رو رہے تھے۔ جب جنید رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوئے تو سب نے کہا کہ اے تاج العارفین! آپ نے اِس پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑی، یہ کہا اور مجلس برخاست ہوگئی''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ محبت الٰہی پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کی محبت دس اُمور سے پیدا ہوتی ہے: ۱۔ قرآن کریم کی اِس طرح تلاوت کرنا کہ ہر لفظ کے معانی، مفہوم اور اُس کے تقاضوں پر غور و فکر اور تدبر کیا جائے۔ ۲۔ فرضی نماز کے بعد نوافل کی کثرت، تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو سکے ۳۔ دِل زبان، عمل اور حال سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے جتنا ذکر کثرت سے ہوگا اتنی ہی محبت تیز ہوگی۔ ۴۔ جب انسان پر شہوات کا غلبہ ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی محبوب اشیاء کو اپنی محبوب اشیاء پر فوقیت دے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے مشاہدات پر غور و فکر اور مطالعہ کرنا اور اس معرفت کے باغوں اور میدانوں میں سیر کرنا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات اور احسانات کا مشاہدہ کرنا۔ ۷۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دِل کو اِنتہائی اِنکساری کی حالت میں پیش کئے رکھنا۔ ۸۔ جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا میں نزول فرماتا ہے، اس وقت اپنے آپ کو بالکل یکسو اور علیحدہ رکھنا اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، اور تلاوت ختم کرے تو توبہ اور استغفار پر اختتام کرنا۔ ۹۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کی مجالس میں بیٹھنا اور

ان کی اچھی گفتگو کے ثمرات سمیٹنا اور اس وقت گفتگو کرنا جب اس کی مصلحت راجح ہو اور تجھے معلوم ہو کہ اس سے تیرے حال میں اضافہ اور دوسروں کی بھلائی ہے۔ ۱۰۔ ان تمام اسباب وذرائع سے اجتناب اور دُوری اِختیار کرنا جن کی وجہ سے اِنسان کے دِل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بعد پیدا ہو۔

یہی وہ دس اسباب ہیں جن سے محبّین کا گروہ محبت کی منزلیں طے کر کے اپنے محبوب تک پہنچا ہے''۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۃ التوبہ:۲۴)۔

اے نبی ﷺ: کہہ دو کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو اپنے اہل وعیال، اپنے مال ومتاع، اپنے قبیلہ وقوم، اپنے تجارتی اثاثوں، اپنے گھر بار کو کلی یا جزوی لحاظ سے اللہ کے احکام سے زیادہ محبوب اور پسند کرتے ہیں یا ان میں سے کوئی چیز جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے مانع ہو تو عذابِ الٰہی کی گرفت سے ڈرائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو بعد میں کف افسوس ملنا پڑے۔ زیر بحث آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اگر یہ اشیاء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسند ہیں تو اُس کے عذاب کا انتظار کریں''۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور بیلوں کی دُم پکڑ لو، کھیتی باڑی کو اپنا مقصد بنا لو اور جہاد جیسے عظیم الشان عمل کو چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ورُسوائی مسلط کر دے گا اور یہ رُسوائی اُس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم دین حنیف کی طرف نہ لوٹ آؤ گے''۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو اپنی پسندیدہ چیزوں پر ترجیح دے، جسے اللہ پسند کرتا ہے ان کو پسند کرے اور جو اُمور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اُن کو ترک کر دے کسی سے دوستی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اور دشمنی ہو تو فقط اُس کی رضا کے لئے اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اتباع اور پیروی کرے کیونکہ اسی میں انسان کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ۔(اخرجاہ)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا ہے۔ جب تک وہ مجھے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

ایمانِ کامل یہ ہے کہ انسان کو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، حتی کہ تمام دنیا سے زیادہ محبت ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کمال کا یہ درجہ اُس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہیں جب تک کہ انسان کو رسول اللہ ﷺ سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی مجھے اپنی جان کے علاوہ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اس وقت تک تم مومن نہیں ہو سکتے۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے: اب آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب ٹھیک ہے''۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نفی کمال مراد ہے، اگر اس سے اُس کا مقصد کمالِ واجب مراد ہے جس کے ترک کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے اور اس کی سزا بھی سنا دی گئی ہے تو وہ صحیح کہتا ہے۔ اور جو شخص یہاں کمال مستحب سمجھتا ہے تو اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی نہ کلام اللہ میں، نہ کلامِ رسول اللہ ﷺ میں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن آپ ﷺ کی اتباع نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کے اقوال کو آپ ﷺ کی حدیث پر ترجیح دیتا ہے تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول ﷺ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ اطاعت سے

منہ موڑ جاتا ہے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں''۔(النور:۴۷)۔ اس آیت میں اس شخص کے ایمان کی نفی کردی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ پھیر لیتا ہے۔البتہ ہر مسلمان جس قدر اسلام میں پختہ ہوگا اُسی قدر اُس کی محبت پختہ اور مضبوط ہوگی اور ہر مسلمان یقیناً مومن ہے البتہ ایمانِ مطلق خاص لوگوں کا حصہ ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''جب کوئی شخص کفر کے بعد اسلام لائے یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا اور شریعت اسلامیہ کی پیروی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے تو وہ مسلمان ہوگا لیکن اس کا ایمان مجمل ہوگا۔البتہ اس کے دل میں ایمان آہستہ آہستہ اور بتدریج داخل ہوگا ورنہ لوگوں کی اکثریت یقین محکم اور جہاد کے سے عظیم عمل تک نہیں پہنچ پاتی۔اگر ایسے افراد کو ذرا سا شک اور شبہ کا موقع مل جائے تو وہ فوراً اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔اگر جہاد کی ترغیب دی جائے تو جان پیش کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس یقین کی دولت کا فقدان ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شک وشبہ سے بچ سکیں اور نہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا جوہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو ان کی خوشنودی میں لٹا دیں۔اگر ایسے افراد دنیا میں مصائب سے بچ کر زندگی گذار جائیں تو جنت میں داخل ہو گے اور اگر ایسے افراد کہیں آزمائش وابتلاء میں گھر جائیں، جس سے اُن کے شکوک وشبہات میں اضافہ ہونے کا امکان قوی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اُن کو سیدھے راستے پر قائم رکھ سکتی ہے وگرنہ یہ لوگ ریب وشک کی گہری غار میں جا گریں ور ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ نفاق کی دلدل میں پھنس جائیں''۔

زیر بحث حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزوِ لاینفک ہیں کیونکہ محبت دل کا عمل ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع اور اس کا لازمی حصہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر اور اُس کے حکم کے مطابق کی جاتی ہے ایک مومن صادق کے دل میں جس قدر محبت الٰہی کی کثرت ہوگی اسی لحاظ سے رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی زیادہ ہوگی اور اِسی مناسبت سے کمی بھی واقع ہوگی کیونکہ جو شخص کسی سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت حقیقتاً اللہ ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ ایمان عمل صالح سے محبت کرنا، حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے ایسی محبت میں شرک کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ بذاتہٖ نہ تو اس پر اعتماد ہوتی ہے نہ کسی مرغوب چیز کے حصول کی اُمید یا کسی تکلیف دہ چیز کا دفاع اور جو ایسی محبت ہو وہ حقیقت میں اللہ سے محبت ہوتی ہے، اس لئے کہ اس

میں نہ تو غیر اللہ سے تعلق ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی سے رغبت ہے۔ یہاں اس محبت میں جو اللہ کے لئے ہو اور اس محبت میں جو مشرکین اپنے باطل معبودوں سے کرتے ہیں، ایک نمایاں فرق اور امتیاز موجود ہے کیونکہ مشرکوں کے دِلوں میں اُن کی اُلوہیت کا عنصر غالب ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کہیں جائز نہیں ہے۔

ولهما عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ أَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَ أَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں وہ جس شخص میں بھی ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس اپنے اندر ضرور محسوس کرے گا۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔ دوسری یہ کہ کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے۔ تیسری یہ کہ کفر میں جانا اس قدر ناپسند کرے جس طرح کہ آگ میں گرنا ناپسند کرتا ہے۔ بعد اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالا۔

حلاوت سے وہ دِلی کیفیت مراد ہے جو کسی نعمت اور خوشی کے موقع پر دِل پر طاری ہوتی ہے اور یہ ذوق مومن اپنے قلوب میں ہمہ وقت محسوس کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ التوشیح میں لکھتے ہیں: ''زیر بحث حدیث میں استعارہ تخیلیہ ہے جس میں ایک مومن کی رغبت کو میٹھی شے سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس کا لازم ذکر کر کے اِس کے ایمان کی طرف مضاف کیا ہے''۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اطاعت الٰہی کے وقت، مصائب جھیلتے وقت، دُنیوی اغراض کو پس پشت ڈالتے وقت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے اور اُس کی مخالفت سے رُکتے وقت، جو کیفیت اور سُرور ایک مومن کے دِل میں اُبھرتا ہے، اُس ذوق کو حلاوتِ ایمان سے تعبیر کی اگیا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی حقیقت یہ ہے کہ انعام و اکرام کے وقت اس میں زیادتی نہ ہو اور مصائب و مشکلات اور امتحان کے وقت اس میں کمی نہ ہو''۔

رہی وہ محبت وطبعاً اور فطرتاً ایک انسان اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے کرتا ہے، یہ محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر نہ ہو بلکہ کمتر ہو۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''یہاں طبعی اور فطری محبت مراد نہیں ہے بلکہ وہ محبت مراد ہے جو اختیاری ہو''۔ لیکن محبت شرکیہ جس کا سابقہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ

اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے منافی ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہر لحاظ سے غلط اور کتاب وسنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اپنے پورے دل سے اللہ سے محبت کرو''۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کی مندرجہ ذیل چند نمایاں خصوصیات ہیں ☆ جسے اللہ پسند کرے، انسان بھی اس کو پسند کرے۔ ☆ جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو وہ انسان کو بھی ناپسند ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اشیاء کو تمام چیزوں پر ترجیح دے۔ ☆ جس قدر ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ حدود سے دُور رہے اور ان کو انتہائی حقیر وذلیل سمجھے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری کرے۔ ☆ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کے منع کردہ اُمور سے کنارہ کش اور دُور رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی''۔

اس آیت کی مکمل اور چلتی پھرتی تصویر نظر آئے۔ پس جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر دوسرے افراد کے قول کو ترجیح دے اور رسول اکرم ﷺ نے جن اُمور سے روکا ہے اُن کی کھلم کھلا مخالفت کرے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی محبت، دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اُس سے محبت کا دعویٰ کرے تو لازم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ان سے محبت کا اظہار بھی کرے، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں ''آیت جنت'' وغیرہ میں واضح ہو چکا ہے۔ واللہ المستعان۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو خوش نصیب ان تمام صفاتِ کاملہ سے متصف ہوگا وہی ایمان کی حلاوت اور لذت سے بہرہ اندوز ہوگا کیونکہ کسی چیز کی مٹھاس اور لذت کا پایا جانا اُس کی محبت کا بین ثبوت ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو چاہتا اور اس کے حصول کے لئے تگ ودو کرنے کے بعد اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کامیابی پر اسے ایک قسم کی لذت، سرور اور خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنی محبوب چیز کو حاصل کرنے کے بعد ہی مسرت وبہجت اور لذت حاصل ہوتی ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''حلاوتِ ایمانی جو فرحت

ومسرت اورلذت کو متضمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کامل محبت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور کامل محبت تین اُمور کے پائے جانے کے میسر آتی ہے: ۱۔محبت میں کمال۔ ۲۔محبت میں خلوص۔ ۳۔اور محبت کے منافی اُمور سے دوری۔ ☆ تکمیل محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا پایا جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ان کی محبت ہر چیز پر غالب ہو۔ ☆ تفریغ محبت یہ ہے کہ انسان جس سے بھی محبت کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ شارح کہتے ہیں کہ اللہ کی محبت، اس کی اطاعت کی محبت کو مستلزم ہے، بندے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کی اطاعت کا دم بھرے اور محبّ کا فرض ہے کہ جس چیز سے محبوب محبت کرے، اُس سے وہ بھی محبت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کو یہ بھی مستلزم ہے کہ جو لوگ اُس کے اطاعت گزار ہیں، اُن سے بھی محبت رکھے۔ مثلاً انبیاء، رُسل، صالحین اور اس کے نیک بندوں کو مرکز الفت قرار دینا جس سے اللہ محبت کرے اور جو اللہ سے محبت کرے، اس سے تعلقاتِ محبت استوار کرنا، کمالِ ایمان میں سے ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے، جو آئندہ درج کی جارہی ہے۔ ☆ دفع ضد کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے مقتضیات کے خلاف جتنی اشیاء ہیں سب کو ناپسند سمجھے جیسے آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

زیر بحث حدیث میں اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جن کا گمان یہ ہے کہ انسان سے گناہ کا صادر ہونا اسکے حق میں موجب نقص ہوتا ہے اگرچہ وہ توبھی کرلے۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر گنہگار توبہ نہ کرے تو اس کے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور اگر فوراً توبہ کرلے تو نقص واقع نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُمت کا اجماع ہے کہ وہ اس اُمت محمدیہ ﷺ میں سب سے افضل تھے باوجود اِس بات کے کہ وہ قبل از اسلام کافر اور مشرک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے نور سے منور فرمادیا۔ ہجرت اور اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ گذشتہ تمام اعمالِ سیئہ کو حرفِ غلط کی مٹا دیتے ہیں جیسا کہ صحیح روایات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

وفی روایۃ لَا یَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانَ حَتّٰی یُحِبُّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ إِلَّا لِلّٰہِ

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایمان کی مٹھاس اس وقت تک محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت نہ کرے۔

یہ روایت صحیح بخاری کتاب الادب میں مذکور ہے، پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: (ترجمہ) ''کوئی شخص

ایمان کی مٹھاس اس وقت تک محسوس نہیں کرسکتا جب تک کہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت نہ کرے اور یہ کہ کفر میں لوٹنا اُس کو اِتنا ہی برا اور ناگوار ہو جیسے آگ میں گرنا اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ سے تمام کائنات سے زیادہ محبت ہو''۔

محبت کے متعلق پوری تفصیل گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت مومن کی اُس قلبی کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے اُس پر طاری ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے: ''میں تیری عظمت سے خوفزدہ ہوں اور تجھے مجھ پر کوئی قدرت بھی نہیں لیکن محبوب کا بھرپور نگاہ سے دیکھنا ہی کافی ہے''۔

وعن ابن عباس قَالَ مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ وَ أَبْغَضَ فِي اللهِ وَ وَالٰى فِي اللهِ وَ عَادٰى فِي اللهِ فَإِنَّمَا تَنَالُ وَلَايَةَ اللهِ بِذٰلِكَ وَ لَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الْإِيْمَانِ وَ إِنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهُ وَ صَوْمُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ كَذٰلِكَ وَ قَدْ صَارَتْ عَامَّةُ مُوَاخَاةِ النَّاسِ عَلٰى أَمْرِ الدُّنْيَا وَ ذٰلِكَ لَا يُجْدِ عَلٰى أَهْلِهٖ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ان کا کہنا ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کسی سے بغض وعناد رکھے، اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے عدوات رکھے تو ایسا شخص ہی اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کرسکے گا۔ اور کوئی شخص ان اُمور کے بغیر اِیمان کی مٹھاس حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ وہ بہ کثرت نمازیں ادا کرے اور روزے رکھے۔ آج کل عام لوگوں کی محبت صرف دنیاوی معاملات پر موقوف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ سودمند ثابت نہ ہوگی۔ (رواہ ابن جریر)۔

یعنی اہل ایمان سے اس لئے محبت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کفر وشرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے منحرف ہیں، ایسے لوگوں سے نفرت وبغض اور دشمنی صرف اس لئے رکھے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اِنتہائی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے''۔ (المجادلہ:۲۲)۔

خالص اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی اور عداوت، اللہ کی محبت کے یہ دو بنیادی وصف ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا وہ اگر کسی دوسرے سے محبت اور دوستی کرے گا، جیسے اولیاء اللہ سے دوستی اور اُن کی مدد

اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے عداوت اور اُن سے جہاد، تو یہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگا۔ جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں قوی اور مضبوط ہوگی، اُسی قدر یہ اعمال بھی ظہور پذیر ہوں گے اور اسی محبت کے کمال سے توحید کی تکمیل ہوگی اور اس کی کمزوری سے اس میں کمزوری واقع ہوگی، پس اس میدان میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ☆ بعض کی محبت کامل ترین۔ ☆ بعض کی محبت کمزور اور ضعیف۔ ☆ اور بعض بدقسمت وجودِ محبت سے بالکل کورے۔

اخوت، محبت اور نصرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بالکسر اَمارت کے معنی میں، اور یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ مسند احمد اور طبرانی میں ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (ترجمہ) ''انسان واضح طور سے ایمان کی روشنی محسوس نہیں کرسکتا جب تک وہ اللہ کی رضا کے لئے محبت نہ کرے اور اس کی رضا کے لئے دشمنی نہ رکھے، اور جب دوستی اور دشمنی اللہ ہی کے لئے کرے گا تو پھر اللہ کی محبت اور ولایت کا حقدار ہو جائے گا''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''ایمان کی مضبوط ترین کڑی یہ ہے کہ انسان کی دوستی اور دشمنی صرف اللہ ہی کے لئے ہو''۔ (رواہ الطبرانی)۔

صوم وصلوٰۃ کی کثرت کے باوجود بھی اس کو ایمان کی لذت اور اس کی مٹھاس حاصل نہیں ہو سکے گی جب تک کہ وہ اپنے اندر محض اللہ تعالیٰ کے لئے دوسروں سے محبت، عداوت، دوستی اور دشمنی کی صفات پیدا نہ کرے جیسا کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) ''جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرتا ہے، اس کے لئے بغض رکھتا ہے، اسی کے لئے خیرات دیتا اور اسی کے لئے روکتا ہے، اس کا ایمان مکمل ہوگیا''۔

دنیوی غرض سے ایک دوسرے سے میل ملاپ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان دے ہوتا ہے، اس کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے''۔

دنیوی اغراض کی بنا پر ایک دوسرے سے لین دین اور دوستی ایک فتنہ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دَور میں، جو بالاتفاق خیر القرون کہلاتا ہے، یہ بات مصیبت کا باعث بن گئی تھی اور آج تک اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور اب تو نوبت بایں جا رسید کہ شرک و بدعت، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کی جارہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشاد حرف بحرف صادق آرہا ہے کہ: ''اسلام اپنے ابتدائی دَور

میں اوپرا اور اجنبی کی حیثیت میں تھا اور اس پر وہی اجنبیت کا دَور پھر لوٹ آئے گا''۔(مسلم، ابن ماجہ، ترمذی)

مہاجرین وانصار، تمام صحابہء رسول رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خیر القرون میں سب کی یہ حالت تھی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے ئے اپنی خاص اور اشد ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔اس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ(ترجمہ) ''اور اپنی ذات پر دُوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں''۔(الحشر:۹)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں ہم سب لوگ اپنے درہم ودینار کے بارے میں اپنے آپ سے اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے''(ابن ماجہ)۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَ تَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ قَالَ الْمَوَدَّۃ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کہ''اور ان کے اسباب وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا''۔کی یہ تفسیر کی ہے کہ اسباب کے معنٰی دوستی اور تعلقات ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کو عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔معنی یہ کہ دُنیاوی محبت اور دوستی قیامت کے دن ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے گی جبکہ میدانِ محشر میں اُن کو اس دوستی کی اشد ضرورت ہوگی۔ بلکہ وہاں تو ایک دُوسرے سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کریں گے۔ان کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ:(ترجمہ)''اور اس نے کہا تم نے دُنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا''۔(العنکبوت:۲۵)۔قرآنِ کریم کی آیت:اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُ الْعَذَابَ کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''پیشوا ہدایت یافتہ اور سیدھے راستے پر تھے اور ان کی اتباع اور پیروی کرنے والوں نے دعویٰ تو یہ کیا کہ ان کے نقش قدم پر چلتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں لیکن صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ رات دن اِن کی مخالفت کرتے اور بدعملی کا شکار رہے اور صرف زبانی محبت اور دوستی کو یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے ہمیں فائدہ ہوگا۔قیامت کے روز اِن ہی بدعملوں سے وہ لوگ اپنی برات اور لاتعلقی کا علی الاعلان اظہار کریں گے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی محبت کا دعویٰ کیا تھا۔یہی

صورتِ حال ہر اُس شخص سے پیش آئے گی جو غیر اللہ کو اپنا ولی اور دوست بناتا ہے، غیر اللہ کی وجہ سے دشمنی اور دوستی کرتا ہے۔ بغض وعناد کا معیار بھی غیر اللہ کی محبت ہوتا ہے۔ اس قسم کے تمام اعمال باطل ہیں اور قیامت کے دن یہی اعمال حسرت اور مایوسی کا ذریعہ ثابت ہوں گے کیونکہ اس بدنصیب شخص نے بڑی ہی محبت اور کدوکاوش سے اور تکلیفیں اٹھا کر یہ اعمال انجام دیئے تھے لیکن وہ اپنی دوستی اور دشمنی، محبت وعداوت اور دوسروں کی امداد واعانت غیر اللہ کے لئے کرتا رہا، اور اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور اطاعت کو پس پشت ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام اعمال کو لغو اور باطل قرار دے دیا اور تمام اسباب جو غیر اللہ کی رضا کے لئے تھے سب توڑ دیئے گئے۔ پس ہر وہ ذرائع اور اسباب ووسائل جو غیر اللہ کی بنیاد پر ہوں گے منقطع ہو جائیں گے اور صرف ایک ہی سبب باقی اور قائم رہے گا جو صرف اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوگا اور وہ یہ ہے کہ انسان تمام منہیات (منع کردہ اُمور) کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اِتباع اپنے اوپر لازم قرار دے لے اور تمام قسم کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے سرانجام دے، جیسے محبت اور عداوت، دوستی، دشمنی اور صدقات وخیرات، کسی سے قرب وبُعد حتی کہ اگر کسی کو کچھ نہ دے تو وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو اور تمام چھوٹے اور بڑے لوگوں کی اتباع اور پیروی کو چھوڑ کر صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی اختیار کرے اور کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے چہ جائیکہ کسی کو مقامِ نبوت میں ان کا شریک بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر کبھی بھی کسی دوسرے شخص کے قول کو ترجیح نہ دے، یہ وہ سبب ہے جو کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ اللہ اور بندے کے درمیان یہی وہ نسبت ہے جسے کوئی منقطع نہیں کرسکتا۔ عبدیت کا یہی وہ مقام ہے جو اللہ کو انتہائی پسند اور محبوب ہے اور وہ ہے خالص عبودیت کی نسبت اور یہی اس کی خوراک کی جگہ ہے۔ وہ اسی کے اِردگرد گھومتا ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے اور یہ نسبت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی من کل الوجوہ پیروی، اتباع اور فرمانبرداری نہ کرے کیونکہ عبدیت کا یہ مقام انبیائے کرام کے واسطے سے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی پہچان اور معرفت بھی انبیاء کی زبان سے ہوئی۔ لہٰذا اِس عبدیت کے اعلیٰ اور ارفع مقام تک رسائی بھی انبیائے کرم کی اِتباع کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اور جو کچھ بھی اُن کا کیا دھرا ہے اُسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے''۔ (الفرقان:۲۳)۔ یہ اُن اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے جو خلافِ سنت کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ تھے۔ ہر ایسے عمل کو، خواہ وہ پہاڑ سے بھی بڑا اور وزنی

ہو، اس کو اللہ تعالیٰ ذروعس کی طرح ہوا میں اُڑا دے گا اور صاحبِ عمل کو اس کا قطعاً کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے روز تمام حسرتوں اور ناکامیوں میں سب سے بڑی حسرت یہ ہوگی کہ انسان اپنی پوری پونجی، کامل محنت اور کدوکاوش سے کمائی ہوئی دولت کو ضائع اور برباد دیکھے خصوصاً جب وہ یہ دیکھے گا کہ کوشش کرنے والے اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے"۔

فیہ مسائل

☆ اپنے اہل وعیال، مال ودولت، حتی کہ اپنی جان سے بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا وجوب۔ ☆ کسی وقت ایمان کی نفی کی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ☆ ایمان کی حلاوت ضرور ہے لیکن کبھی انسان محسوس کرتا ہے۔ اور کبھی نہیں کرتا۔ ☆ یہ چار اعمال قلب ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ کی محبت حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔ ☆ صحابہ کرام کا یہ محسوس کرنا کہ لوگوں کا زیادہ تر میل ملاپ صرف دنیا کی خاطر ہے۔ ☆ بعض مشرک بھی ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ ☆ مندرجہ آٹھ اشیاء جس کو دین سے زیادہ پیاری ہوں اس کو سخت وعید اور سزا سنانا۔ ☆ کسی شخص کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر محبت رکھنا ہی شرکِ اکبر کہلاتا ہے۔

بابُ

قولہ اللہ تعالیٰ اِنَّمَا ذَالِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَ هٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

شریعت اِسلامیہ میں خوف الٰہی کو افضل واہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزیت حاصل ہے لہٰذا خوف وخشیت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیئے اس باب میں اسی پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَ ہٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔ **(آل عمران:۱۷۵)**

شریعت اسلامیہ میں خوفِ الٰہی کو افضل و اہم ترین مقام حاصل ہے اور عبادات میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے خوف وخشیت، صرف اللہ سے ہونی چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیاتِ بنیات سے واضح ہے: (ترجمہ) ''اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں''۔ **(الانبیاء:۲۸)**۔ ''اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں''۔ **(النحل:۵۰)**۔ ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں''۔ **(الرحمٰن:۴۶)**۔ ''سو تم خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہو''۔ **(النحل:۵۱)**۔ (اے گروہِ یہود!) ''تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو''۔ **(المائدہ:۴۴)**۔ اس موضوع پر بے شمار آیاتِ قرآن موجود ہیں۔

خوف کی تین قسمیں ممکن ہیں۔

اول.....سری اور پوشیدہ خوف: وہ یہ کہ انسان غیر اللہ مثلاً وثن اور طاغوت وغیرہ کے شر سے خوف کھائے جیسا کہ قوم ہود نے جناب ہود علیہ السلام سے کہا تھا۔ کہ (ترجمہ) ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔ ہودؑ نے کہا۔ ''میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے، اس سے میں بے زار ہوں۔ تم سب کے سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر نہ اٹھا رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو''۔ **(ھود:۵۴۔۵۵)**۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: (ترجمہ) ''یہ لوگ اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں۔ **(الزمر:۳۶)**۔

خوف کی یہی وہ صورت ہے جو قبر پرستوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں میں پائی جاتی ہے قبر پرست خود بھی ان سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اہلِ توحید کو بھی جب کہ وہ ان کی عبادت سے انکار کرتے ہیں اور خالص اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں تو یہ ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوف کی یہ قسم توحیدِ خالص کے سراسر منافی ہے۔

الثانی نمبر۲.....خوف کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان بعض لوگوں سے ڈر کر ایسے امور کو چھوڑ دے جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے..... یہ خوف قطعی طور سے حرام ہے خوف کی یہ صورت وہ شرک ہے جو کمالِ توحید کے منافی ہے.....زیرِ نظر آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب بھی یہی خوف تھا۔ قرآنِ کریم نے اس خوف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: (ترجمہ) ''اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں

ان سے ڈرو‘‘۔تو یہ سن کران کا ایمان اور بڑھ گیا اورانہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوگیا۔اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔اب تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا۔مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو‘‘۔**(آل عمران:۱۷۳۔۱۷۴۔۱۷۵)**

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندے سے سوال کرے گا:’’جب تم نے برائی کو دیکھا تو اسے بدلنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ بندہ جواب دے گا،اے میرے رب،لوگوں کے ڈر کی وجہ سے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی اس کا مستحق تھا کہ تو مجھ سے ہی ڈرتا‘‘۔

ثالث نمبر۳.....الخوف الطبیعی: اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کسی زبردست دشمن یا کسی جنگلی درندے وغیرہ سے وقتی طور پر خوف کھا جائے۔خوف کی یہ قسم مذموم نہیں ہے۔جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:(ترجمہ)’’وہ ڈرے اور سہمے ہوئے نکل کھڑے ہوئے‘‘۔**(القصص:۲۱)**

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو اپنے دوستوں سے خوف زدہ کرتا ہے اور فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ میں اللہ کی طرف سے مومنوں کے لئے غیر اللہ سے خوف زدہ ہونے کی نہی فرمائی گئی ہے۔امیں درحقیقت یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے خوف وخطر کے حدود کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس تک محدود رکھیں اور اپنی ذات پر فقط اسی سے ڈرنے کی کیفیت طاری رکھیں۔یہی وہ اخلاص ہے جس کو دلوں میں جاگزین کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور اسی کو پسند فرمایا ہے جب وہ خوف و خطر اور اپنی تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کردیں گے تو وہ ان کو ایسی چیزوں سے بہرہ ور کردے گا جو ان کی توقعات کے دائرہ سے بالکل باہر ہوں گی اور ان کو دنیا وآخرت کے خطرات سے قطعی طور پر محفوظ رکھے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ. (کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:’’اللہ تعالیٰ کے دشمن کا سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ وہ مومنوں کو اپنے لاؤلشکر سے ڈرانے اور مرعوب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تاکہ وہ جہاد جیسے عظیم الشان عمل سے رک جائیں،امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے رفیع الشان وظیفہ حیات سے اپنی زبانوں کو بند رکھیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت کریمہ میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ یہ شیطانی فریب ہے۔ایسا نہ ہو کہ تم اس کے

جال میں آ جاؤ۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت کا یہی معنی ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں سے مسلمانوں کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آیت کا معنی یہ ہے کہ: ''مسلمانوں کے دلوں میں ابلیس اپنے لشکر کے بہت عظیم اور بھاری ہونے کا وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اگر انسان کا ایمان قوی اور مضبوط ہوگا تو یہ خوف اس کے دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی کمزور ایمان والا شخص ہے تو ڈر جائے گا''۔

پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوف کھانا کامل ایمان کی شروط میں سب سے بڑی شرط ہے۔

قول اللہ تعالیٰ **اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبۃ:۱۸)**

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے توقع ہے کہ یہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ تعمیر مساجد میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی دولت ودیعت کی گئی ہے اور ان کا آخرت پر یقین کامل ہے۔ ان کا ایمان دل کے ہر گوشے میں پیوست ہوتا ہے، وہ ظاہری اعضا سے اعمالِ صالحہ انجام دیتے ہیں اور کسی طاغوتی قوت سے نہیں ڈرتے۔ ان ہی صفات کے حامل لوگوں سے تعمیر مساجد کا عمل معرضِ ظہور میں آتا ہے اور مشرک اس عمل سے دور بھاگتے ہیں تعمیر مساجد میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، اور اعمالِ صالحہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ اگر کبھی مشرکین کے ہاتھوں سے ایسا عمل ظاہر ہو جائے تو اس کی حیثیت ایسے ہوتی ہے جیسے: (ترجمہ) ''دشتِ بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا''۔ (النور:۳۹) یا ان کے اعمال کی مثال: (ترجمہ) ''اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ (ابراہیم:۱۸)

جن بدنصیب لوگوں کے اعمال کی حیثیت بطور نتیجہ کے یہ ہو، اس سے تو بہتر یہ ہے کہ عمل کیا ہی نہ جائے۔ پس تعمیر مساجد جیسا عظیم الشان عمل جس کا تعلق توحید خالص اور عملِ صالح سے ہے اور شرک و بدعت کی ملاوٹ سے یہ عمل بالکل پاک وصاف ہے، وہ ایمان مطلق میں داخل ہے۔ اہل سنت والجماعۃ کا یہی عقیدہ

ہے۔

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تعظیم غیر اللہ، عبادتِ غیر اللہ اور اطاعت غیر اللہ، سے ڈرنا مراد ہے کیونکہ انسان فطرتاً دنیوی خطرات سے ڈر جاتا ہے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ تمام امور میں قضاوقدر اور اس کے تصرفات سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''خوف دل کی عبادت ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص رہنی چاہیئے۔ وہ اعمال جن کا تعلق صرف دل سے ہے، درج ذیل ہیں: عاجزی، رجوع، محبت، توکل اور امید''۔

قولہٗ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ابن ابی طلحہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں کہ: ''یہی لوگ ہدایت پر ہیں''۔ قرآن میں جہاں بھی عسیٰ کا لفظ آیا ہے اس کا واقع ہونا لازمی ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں آتا جاتا رہتا ہے تو اس کے ایمان دار ہونے کی شہادت دو''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کو مانیں۔ **(رورہ احمد، والترمذی، والحاکم، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ)**

قولہٗ اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ

لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔ **(العنکبوت:۱۰)**

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جھٹلانے والی قوم کی صفات بیان کی ہیں جو صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایمان کی دولت سے بالکل خالی ہیں۔ دنیا میں جب ایسے لوگ مصائب و مشکلات اور محنت و مشقت میں پڑ جاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ مُرتد ہو جاتے ہیں''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایسے افراد کو جب معمولی سی محنت و مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ کریم نے جب سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا ہے اس

وقت سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک کے پورے دور میں عام لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے انبیاءؑ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیا اور کفر و شرک اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کا زبردست امتحان لیا، ان کو مختلف مصائب و مشکلات سے گذرنا پڑا اور ان کو خاص طور پر فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تا کہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ جو شخص اللہ پر ایمان نہیں لاتا، اس کے متعلق یہ قطعاً خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ کو عاجز کر سکتا ہے یا اس سے سبقت لے جا سکتا ہے۔ البتہ جو شخص پیغمبروں پر ایمان لے آیا اور ان کی اطاعت کا دم بھرا تو اس کے دشمن اس سے اظہار عداوت کریں گے۔ اس کو اذیتیں پہنچائیں گے اور اس قسم کے ابتلا میں ڈالیں گے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے۔ جو شخص اللہ کے رسولوں پر ایمان نہیں لاتا اور ان کی اطاعت نہیں کرتا، اس کو دنیا اور آخرت میں سزا دی جائے گی اور ایسی چیزیں اس کے لئے پیدا کی جائیں گی جو اس کو اذیت پہنچانے کا باعث بن سکتی ہوں۔ اتباعِ الٰہی سے گریز کرنے والوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اتباع کو بہت بڑے الم اور عظیم اذیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ الم ان کے لئے عظیم تر اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور ان کی اتباع کی فرضی الم انگیزیوں سے اس کی اذیت کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگا۔ پس جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی گذارنے لگے تو مخالفین نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک روا رکھا..... اللہ تعالیٰ کی سنت ابتدائے آفرینش سے یہ چلی آ رہی ہے کہ کوئی شخص ایمان باللہ کا اعلان کرتا ہے یا نہیں کرتا، اس دارِ دنیا میں بہر حال اسے مصائب و مشکلات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن مومنین کو ابتدا میں اس دارِ فانی میں مصیبت اور تکلیف تو ضرور اٹھانی پڑے گی البتہ آخرت کی بازی وہ جیت جائیں گے اور عاقبت کی خوشیاں ان ہی کے حصہ میں آئیں گی۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کی مخالفت میں زندگی برباد کر بیٹھے، ان کو بھی اس فانی دنیا مصائب و مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں کو ابتدا میں تو لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لیکن آخرت کا عذاب اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کے حصے میں آئے گی۔ وہ ایسا عذاب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اس عارضی دنیا میں انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں میں مل جل کر رہے۔ ہر شخص کے ارادے اور تصورات مختلف ہوتے ہیں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات کو اولیت کا درجہ دیں۔ جو شخص ان کا ساتھ نہیں دیتا اسے مختلف قسم کی مشکلات میں ڈال دیا جاتا ہے اور جو شخص ان کی ہاں میں ہاں ملاتا

ہے اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی اپنوں سے اور کبھی غیروں سے۔ بطور مثال کے ایک دین دار اور متقی شخص ہی کو لے لیجئے۔ جو فاسق و فاجر اور ظالم قوم میں زندگی گزار رہا ہو۔ ایسا شخص ان کے ظلم وستم سے ہرگز نہیں بچ سکتا البتہ اگر ان کی موافقت کرلے یا خاموشی اختیار کرلے ابتداءً تو ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہے گا لیکن بالآخر یہ شخص ان کے جس ظلم اور زیادتی سے بچنا چاہتا تھا اس کا شکار ہو کر رہے گا۔ اور اگر بالفرض ان کے شر سے محفوظ بھی رہے تو دوسرے لوگوں کے ظلم کا نشانہ بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد گرامی کو جو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، مضبوطی سے تھام لینا چاہیے اور حرز جان بنالینا چاہیئے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرلے تو اس کی تمام ضروریات کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک اس کی کفایت نہ کرسکیں گے''۔ (ترمذی) پس جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، بھلائی و کامیابی کا راستہ اس کے سامنے ظاہر کردے اور مخالفین کے شر سے اس کو محفوظ رکھے تو وہ محرمات میں ان کی موافقت نہیں کرے گا اور ان ظالموں کے ظلم وستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چوم لے گی۔ جیسا کہ انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

مذکورۃ الصدر دو قسم کے لوگوں کے علاوہ ایک شخص وہ بھی ہے جو بے بصیرتی اور کم عقلی کی بنا پر ایمان کا دعویدار بن بیٹھا ہو اگر کسی وقت کسی مصیبت اور مشکل میں پھنس جائے تو اسے وہ ایک فتنہ سمجھتا ہے۔ فتنہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس آزمائش اور تکلیف کو جو بہر حال انبیاء اور ان کے فرمانبرداروں کو مخالفین کی طرف سے پہنچتی ہے، ایک عذاب سمجھتا ہے۔ اس فتنہ کی وجہ سے وہ ایمان سے بھاگتا ہے اور اس سبب کو چھوڑ دیتا ہے جس سے یہ مصیبت دور ہو، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کہ مومن ایمان لا کر اس سے خلاصی چاہتے ہیں۔

صاحبِ بصیرت، اور خالص مومن تو عذابِ الٰہی سے ڈر کر ایمان کی طرف لپکے اور دوڑے اور عارضی مصائب کو برداشت کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

اور یہ کم عقل اور بے بصیرت لوگ انبیائے کرام کے دشمنوں کی عارضی تکلیف سے بچنے کے لئے ان کی موافقت کرنے پر رضامند ہو گئے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، ان کی عارضی تکلیف اور جلد ختم ہو جانے والی مصیبت سے بھاگے اور عذابِ الٰہی کی طرف چل پڑے۔ لوگوں کی آزمائش اور فتنہ کو عذابِ الٰہی سمجھ بیٹھے

اور بالکل برباد ہوگئے۔ اس ذہن کے حامل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا شکار اس طرح ہوگئے کہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر آگ میں چھلانگ لگادی..... چند لمحوں کی تکلیف برداشت کرنے سے تو انکار کردیا لیکن دائمی عذاب کو دعوت دے دی۔ ایسے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو غلبہ اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، تو یہ شخص فوراً بول اٹھتا ہے کہ میں تو تمہارے ہی ساتھ تھا لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکا دے سکتا ہے؟ وہ اس کے نفاق سے بخوبی آگاہ ہے اور اس کے دل کی دھڑکنوں سے واقف ہے۔

اس آیت کریمہ میں فرقہ مرجئہ اور کرامیہ کی تردید بھی ہوگئی۔ تردید کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ صرف زبانی ایمان لائے اور مشکلات پر صبر نہ کیا۔ کیونکہ فقط قول اور تصدیق بغیر عمل کے نفع مند نہیں ہوتے۔ شرعی ایمان اس وقت تک صحیح نہیں قرار پاتا جب تک مندرجہ ذیل تین باتیں انسان کے اندر جمع نہ ہوں۔ ۱۔ دل سے تصدیق اور اس پر کاربند رہنا۔ ۲۔ زبان سے اقرار۔ ۳۔ اور اعضاء سے اس پر عمل کرنا۔ سلفِ اُمت اور اہلِ سنت کا یہی مسلک اور یہی عقیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اس آیت سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ سچی بات کرنے میں مخلوق کی مداہنت سے بچنا چاہیئے اور بچے گا وہی جسے اللہ بچائے۔

وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا اِنَّ مِنْ ضَعْفِ الْیَقِیْنِ أَنْ تُرْضِیَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللهِ وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلٰی رِزْقِ اللهِ۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کمزوری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر لوگوں کی تعریف کرے۔

اس حدیث کو ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔ امام بیہقی نے بھی اسے نقل فرمایا ہے لیکن انہوں نے راوی محمد بن مروان السدی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی سند میں عطیہ العوفی راوی ہے جس کو امام ذہبی نے ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

البتہ حدیث کا مفہوم درست اور صحیح ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کی بنا پر خوشی اور تازگی رضا اور یقین میں رکھی ہے۔ اور ناراض اور شک میں غم واندوہ کو جمع کردیا ہے''۔

ضعف، کمزوری کو کہتے ہیں۔ اور یقین کامل ایمان کا دوسرا نام ہے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یقین پورا ایمان ہے اور صبر آدھا''۔ اس روایت کو ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزھد میں سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم رضا کے ساتھ یقین میں عمل کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو کرلو اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو جس چیز کو برا سمجھتے ہو اس میں صبر کرنا بہت سی بھلائیوں کا حامل ہے''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یا رسول اللہ! میں یقین کی دولت کیسے حاصل کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ جس مصیبت میں تم گرفتار ہو وہ بہرحال پہنچنے والی تھی اور جس سے بچ گئے ہو وہ پہنچ نہیں سکتی تھی''۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دی جائے یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی شخص کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور اس کی علوشان کا جذبہ مفقود ہو۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے رَبِّ کریم کو ناراض کرکے مخلوقِ الٰہی کو راضی اور خوش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ کریم ہی دلوں میں مختلف تصرفات کرتا ہے، غم واندوہ کے حملوں سے انسان کو نجات بخشتا ہے اور اس کی بدکرداریوں کو آنِ واحد میں ختم کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر دوسروں کی رضا کو ترجیح دینا شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ انسان نے اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو اہم گردانا۔ ایسے لوگوں کا قرب اس طرح حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس ناپسندیدہ عمل سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے، اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور ان صفات جلیلہ کی معرفت تامہ عطا کرے جو اس کی ذاتِ کبریا کی عظمت کے قابل ہیں۔ اور ان تمام صفات سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ سمجھے جو اس کے کمال کے منافی ہیں۔ نیز اس کی توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الُوہیت کی معرفت بھی مکمل ہو۔

قولہٗ وَأَنْ تَحْمَدَهُمْ عَلٰى رِزْقِ اللهِ

یعنی جن لوگوں کے توسط سے رزق کی نعمت میسر آئی ہو، اس نعمت کو ان کی طرف منسوب کرنا، اور ان کی تعریف میں لگے رہنا کیونکہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی اس نعمت کو عطا کرنے والا ہے اسی نے ان ذرائع سے یہ رزق بہم پہنچایا ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اس قسم کے خود بخود اسباب مہیا فرمادیتا ہے۔ کسی شخص کی تعریف نہ کرنا مندرجہ ذیل حدیث کے مخالف نہیں ہے ''جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا''۔ **(ابوداؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان)**۔

لوگوں کا شکر ادا کرنے کی صورت صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کے لئے دعا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کے ذریعہ سے نعمت عطا فرمائی ہے اس کے بدلے میں یا تو دُعائے خیر کی جائے یا اس کا کوئی بہتر بدلہ دینے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ''جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ چکاؤ اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے بدلہ چکا دیا ہے''۔ (ابوداؤد، نسائی، کشف اخفاء)۔ اچھے اور معروف عمل کو لوگوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب کرنا کہ یہ ذریعہ اور سبب بنے ہیں درست ہے لیکن حقیقت میں یہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وجود میں آیا ہے۔

وَ أَنْ تَذُمَّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اِنْ رَزَقَ اللّٰهُ لَا يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيْصٍ وَ لَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ۔

اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں دی اس کی وجہ سے لوگوں کی مذمت کرے۔ یاد رکھو، کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کو نہ کسی حریص کی حرص لا سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے۔

کیونکہ جو چیز تو ان سے طلب کرتا ہے وہ تیرے لئے مقدر نہیں ہے۔ جو چیز تم نے کسی سے مانگی تھی اگر وہ تیرے مقدر میں ہوتی تو تجھے ضرور مل جاتی۔ پس جو شخص یہ سمجھ لے کہ: ۱۔ رزق دینے والا۔ ۲۔ رزق میں تنگی کرنے والا۔ ۳۔ اسباب اور بغیر اسباب کے رزق مہیا کرنے والا۔ اور بعض اوقات ایسی جگہ سے رزق عطا فرمانے والا جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، تو ایسا شخص کسی کی نہ تعریف کرے گا اور نہ مذمت بلکہ اپنے دین و دنیا کے تمام اُمور صرف اللہ تعالیٰ کو سونپ دے گا۔ اسی پر اعتماد کرلے گا۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا ہے: ''نہ لالچی کی حرص اللہ کے رزق کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے''۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا: (ترجمہ) ''جو رحمت، اللہ لوگوں کے لئے بھیجے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جسے وہ روک لے اس کے علاوہ اسے کوئی بھیجنے والا نہیں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث میں لفظِ یقین اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت، اور ان انعامات کو جو وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو عطا فرمائے گا، شامل ہے۔ نیز یہ لفظ اللہ کی تقدیر اور اس کی تدابیر کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ کریم کو ناراض کرکے اور اس کے احکام کی مخالفت کرکے مخلوق الٰہی کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایسے شخص کو اللہ کے رزاق ہونے اور اس کے وعدے پر ایمان اور یقین نہیں ہے۔ انسان یہ رویہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ لوگوں کے پاس مختلف

انعامات دیکھ کر ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور حقوق اللہ اور اس کے ارشادات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس بے رخی کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ جو کچھ لوگوں کے پاس دیکھتا ہے اسے حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی سچائی، اس کی نفرت اور تائید پر ایمان بالکل کمزور ہے اور دنیا و آخرت میں جو اجر جزیل ملنے والا ہے اس پر اعتماد مفقود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔ اسے رزق بھی فراخی سے ملتا ہے، وہ لوگوں کا دستِ نگر بھی نہیں رہتا۔ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی حاصل کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے خوف کھاتا ہے اور ان سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ یقین کا یہ انتہائی کمزور پہلو ہے۔ جس چیز کی لوگوں سے امید ہوتی ہے اگر وہ حاصل نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ ناکامی کی صورت میں لوگوں کی مذمت کرنا بھی یقین اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ نہ کسی سے ڈرے، نہ کسی سے امید باندھے اور نہ اپنے خواہشات کی بنا پر کسی کی مذمت کرے کیونکہ محمود وہی شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تعریف کریں اور مذموم بھی وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی زبان سے مذمت بیان کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جب بنی تمیم کا وفد آیا تو وفد کے ایک شخص نے بڑی بے باکی سے کہا کہ ''اے محمدؐ! مجھے کچھ نہ کچھ ضرور دیجئے، کیونکہ میرا کسی کی تعریف کرنا باعثِ زینت اور میرا کسی کی مذمت کرنا باعثِ ذِلت ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے''۔

زیرِ بحث حدیث سے ثابت ہوا، کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور اعمال اور ایمان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

وعن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ أَرْضَى عَنْهُ النَّاسُ ۔ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ سَخَطَ اللهُ عَلَيْهِ وَ أَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسُ ۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی ناراضی مول لے کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے اور لوگ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جو

شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشی کا طالب ہوتا ہے اس پر لوگ بھی ناراض اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ (ابن حبان)

ابن حبان نے مندرجہ بالا الفاظ سے یہی روایت نقل کی ہے، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مدینہ میں سے ایک شخص سے مندرجہ ذیل واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے کہ: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت عالیہ میں لکھا کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں جو مختصر ہو، چنانچہ سیّدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا: ''تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ امابعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی مول لے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کی امداد سے اس کو بے پروا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کے ہی سپرد کر دیتا ہے۔ والسلام علیک، (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ)۔

شیخ الاسلام امام تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی لکھ کر بھیجا: جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے لوگوں کی تکالیف سے بچائے گا اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آ سکیں گے۔

حدیث کے مندرجہ بالا الفاظ مرفوعاً بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ موقوف حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:
''جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو خوش کیا، اس سے اللہ بھی راضی ہو جائے گا اور لوگوں کو اس سے راضی کر دے گا اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا تو وہی لوگ جو اس کی تعریف کرتے ہیں اس کی مذمت کرنے لگیں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سامنے رکھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے وہ تفقہ فی الدین کی عظیم الشان مثال ہے۔ کیونکہ جو شخص لوگوں کی ناراضی مول لے کر اپنے اللہ کو منا لیتا اور اس کو راضی کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شریروں کے ظلم وستم سے محفوظ فرما لیتا ہے اور ایسا شخص اللہ کا صالح بندہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صالحین کا ہی دوست اور والی ہے، اور وہی اپنے بندے کے لئے کافی اور کارساز ہے وہ خود فرماتا ہے: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس

کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دیگا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو''۔

اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی کفالت کرتا ہے۔ جو شخص یہ خیال کرے کہ سب لوگ اس سے راضی اور خوش ہوجائیں تو یہ ناممکن بات ہے۔ لوگ اس وقت تک خوش رہیں گے جب تک ان کی اغراض پوری ہوتی رہیں گی۔ لیکن جب لوگوں کو انجام کا پتا چلے گا کہ: ''جو اللہ کو ناراض کرکے لوگوں کو خوش کرے تو وہ اللہ کے مقابل اس کے کسی کام نہ آئیں گے''۔ تو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹیں گے، جیسے ظالم کی طرح جو اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹتا ہے۔ جو شخص اس دارِفانی میں لوگوں کی بے حد تعریف کرتا ہے وہی آخرت میں ان کی مذمت کرے گا۔ آخرت تو متقین کے لئے ہی مخصوص ہے یہ عام لوگوں کی خواہش کے مطابق ابتدا میں کیسے میسر آسکتی ہے؟

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس شخص پر اس بات کی حقیقت کا انکشاف ہوجائے کہ زمین پر جتنی بھی مخلوق الٰہی ہے وہ سب مٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تو وہ شخص مٹی کی اطاعت کو رب الارباب کی اطاعت پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے؟ یا ملک الاملاک اور اللہ کی ذات کو ناراض کرکے مٹی کو کیسے خوش کرنے کی کوشش کرے گا؟ اگر کسی بدنصیب نے ایسا کردار ادا کیا تو ''یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی''۔

زیر بحث حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں سے خوف کھائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر لوگوں کی خوشی کو ترجیح دے گا اسے سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خصوصاً شریعت اسلامیہ کے مطابق جو سزا ملے گی اس کی سختی کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سزا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھادیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا''۔ (التوبہ:۷۷)۔

فیہ مسائل

☆ یقین، کمزور اور قوی ہوتا رہتا ہے۔ ☆ یقین کے کمزور ہونے کی تین علامات کا ذکر۔ ☆ خوف کو خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کردینا اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ ☆ جو شخص خوفِ الٰہی میں خلوص پیدا کرلیتا ہے اس کے اجر وثواب کا ذکر۔ ☆ جس شخص کے خوفِ الٰہی میں ملاوٹ پیدا ہوگئی اس کی

سزا کے متعلق گفتگو۔

باب

قال اللہ تعالیٰ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین

اس باب میں توکل علی اللہ کو مومنوں کی ایک خاص علامت قرار دیا گیا ہے

قال اللہ تعالیٰ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرو، اگر تم مومن ہو''۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو اس وقت کہتے ہیں تَوَکَّلَ بِالْاَمْر اور جب کسی پر پورا اعتماد کر لیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے۔ میں نے اپنے معاملہ میں فلاں شخص پر اعتماد اور بھروسہ کر لیا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے سے عاجز آ جائے یا کسی کو اپنا معتمد سمجھ کر اس پر بھروسہ کر لے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''فلاں نے فلاں کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا''۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا آیت پر باب کا عنوان اس لیے قائم کیا ہے کہ توکل فرائضِ اسلام میں سے ایک ایسا فریضہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر صرف اللہ پر توکل کر لے۔ عبادات کی جتنی بھی اقسام ہیں تَوَکُّلُ عَلَی اللہِ ان تمام عبادات سے عظیم تر ہے کیونکہ اعمالِ صالحہ کا دارومدار توکل ہی پر ہے۔

جب ایک انسان ساری دنیا سے کٹ کر اپنے دینی اور دنیاوی تمام اُمور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیتا ہے تو اس کے اخلاص میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور اس کا معاملہ اللہ سے ہو جاتا ہے۔ توکل علی اللہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی بڑی منزلوں میں سے ایک منزل ہے لہٰذا توحید کی تینوں قسمیں اس وقت مکمل نہ ہوں گی جب تک توکل علی اللہ کامل نہ ہوگا۔ جیسا کہ زیرِ نظر آیت سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''موسیٰ نے اپنی

قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو''۔(یونس:۸۴)۔
ایک مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی: (ترجمہ) ''وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو''۔(المزمل:۹)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توکل صرف دل کا عمل ہے''۔

پیشِ نظر آیت کریمہ کی تشریح میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے، جس سے پتا چلا کہ جس دل میں توکل نہیں، وہاں ایمان نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر مسلمان ہو۔ (یونس:۸۴)۔ اس آیت کریمہ میں توکل کو اسلام کی صحت کا معیار قرار دیا گیا ہے، پس جس شخص کا ایمان قوی ہوگا اس کا توکل علی اللہ بھی مضبوط ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ ایمان کمزور ہو گیا تو توکل کا کمزور ہونا بھی یقینی ہے۔ اسی طرح جس کا توکل علی اللہ کمزور ہوگا اس کا ایمان بھی کمزور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں کبھی تو توکل اور عبادت کو یکجا بیان فرماتا ہے، کبھی توکل اور ایمان کو اور کبھی توکل اور تقویٰ کو اور کبھی توکل اور اسلام کو اور کبھی توکل اور ہدایت کو۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان اور احسان کے تمام اہم مقامات پر توکل علی اللہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ کہ اسلام کے تمام اعمال میں توکل کا وہی مقام اور اس کی وہی حیثیت ہے جو بدن انسانی میں سر کی ہے۔ جیسے بدن کے بغیر سر قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان اور اس کے مقامات اور اعمال توکل علی اللہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص مخلوق سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے اور مخلوقِ الٰہی پر ہی توکل اور بھروسہ کر بیٹھتا ہے وہ اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہ مشرک ہے اور مشرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) ''جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے جانور نوچ لیں گے یا ہوا اس کو دور دراز مکان میں پھینک دے گی''۔(الحج:۳۱)۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل علی اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ایسے اُمور میں غیر اللہ پر توکل کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، جیسے وہ لوگ جو فوت شدگان یا طاغوت وغیرہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی امداد کریں گے یا حفاظت کا فریضہ ادا کریں گے یا رزق وغیرہ دیں گے یا قیامت کے دن سفارش کریں گے، یہ عقیدہ شرکِ اکبر ہے۔ ۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ظاہری اسباب وذرائع پر بھروسہ کر لیا

جائے، جیسے کسی امیر یا بادشاہ پر یہ بھروسہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اسے دیا ہے اس میں سے ہم کو بھی دے گا یا کسی بیرونی طاقت کے شر سے بچاؤ کی امید کرلی جائے تو یہ شرکِ اصغر کی ایک قسم ہے۔

جائز وکالت یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر وکیل بنائے جس پر اسے قدرت حاصل ہو اور وکیل بنانے کے بعد بھی وکیل پر اعتماد اور بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ توکل اور کلی اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھے کہ وہ اس کام کو نائب اور وکیل پر آسان کردے۔ نائب اور وکیل پر اعتماد کے بجائے ربِ کریم پر اعتماد کرے جو حقیقی مسبّب الاسباب ہے۔

قول اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:۲)

سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامات بیان فرمائی ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی ان کے دل میں ذکر اللہ کی جھلک نظر نہیں آتی۔ ☆ نہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ان کا ایمان ہے۔ ☆ نہ توکل علی اللہ کے قائل ہیں۔ ☆ جب مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے۔ ☆ اور اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ مومن ہی نہیں ہیں۔

منافقین کی علامات بیان کرنے کے بعد مومنین کی صفاتِ حسنہ کو بیان کیا گیا ہے: ''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں''۔ (الانفال:۲)۔ مومن ہی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتا ہے''۔ دل کے کپکپا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینے اور جن سے روکا گیا ہے ان کو چھوڑ دینے کے لئے مستعد اور چوکس ہو جاتا ہے''۔

زیرِ نظر آیت کے بارے میں السُّدی کہتے ہیں: ''اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی پر ظلم کرنے کے لئے کمر بستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اور اس کی بغاوت پر آمادہ ہو۔ اسے کہا جائے کہ اِتَّقِ اللّٰہَ اِتَّقِ اللّٰہَ یہ لفظ سنتے ہی اس پر ہیبت طاری ہو جائے اور اس کا دل کانپنے لگے''۔ (رواہ ابن ابی شیبہ، وابن جریر)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، تبع تابعین اور تمام اہل سنت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ سیدنا عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں: ''ایمان بڑھتا گھٹتا ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کیسے بڑھتا گھٹتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو ایمان کا یہی بڑھنا ہے۔ اور جب ہم غفلت کرتے یا بھول جاتے یا اس کے احکام کو ضائع کر دیتے ہیں تو یہ ایمان کا کم ہوتا ہے۔ (ابن سعد)۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اسکا قول و عمل سے پتا چلتا ہے'' **(ابن ابی حاتم)**

امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابو عبید رحمہ اللہ نے ایمان کے بڑھنے گھٹنے پر اجماعِ اُمت بیان کیا ہے۔

قولہٗ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ یعنی مومنین کی صفات یہ ہیں: وہ دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ اپنے تمام دینی اور دنیاوی امور کو اللہ ہی کی طرف سونپ دیتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتے۔ ☆ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مقصود سمجھتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ ☆ مومنین کو یہ یقین ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا۔ ☆ اور جو اس کی مشیت کے خلاف ہے اس کا وجود میں آنا ممکن نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ اپنی مملکت میں واحد متصرف ہے۔ ☆ اور وہی اکیلا معبودِ حقیقی ہے۔

زیرِ نظر آیت کریمہ میں مخلص مومنین کے خاص طور پر تین اعلیٰ مقام بتائے گئے ہیں اور تین علامات بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ خوفِ الٰہی۔ ۲۔ ایمان میں اضافہ۔ ۳۔ اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل۔ یہ تین مقامات ایسے ہیں جن سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ ظاہری اور باطنی اعمال انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے۔

نماز: جو شخص نماز قائم کرے، اس کی حفاظت بھی کرے۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو اس عمل صالح کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ دوسرے واجبات پر بھی عمل کرے گا اور محرکات کو چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''نماز ہر برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بلند و بالا ہے۔ **(العنکبوت:۴۵)**

قول اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال: ۶۴)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تمہارے لیے اور اہل ایمان کے لئے تو بس اللہ کافی ہے۔

اس آیت کریمہ کے معنی علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ: ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے متبعین کو صرف اللہ ہی کافی ووافی ہے۔اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی پسند فرمائے ہیں۔

بعض نے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور مومنین کافی ہیں''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ معنی بہت غلط ہیں۔آیت کریمہ کو اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسے تمام عبادات مثلاً توکل اور تقویٰ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں اسی طرح کفایت اور حسب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی''۔(الانفال:۶۲)

اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ''حسب'' اور تائید کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔''حسب'' کو صرف اپنی طرف منسوب فرمایا اور ''تائید'' کو اپنی مدد و نصرت اور مومنین دونوں کی طرف نسبت فرمائی ہے۔ اور خصوصاً اپنے ان بندوں کی جو اہل توحید ہیں اس بات پر تعریف کی ہے کہ انہوں نے ''حسب'' کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کیا ہے جیسا کہ اہلِ توحید کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''۔(آل عمران:۱۷۳)۔ مومنین نے حسبنا اللہ و رسولہ نہیں کہا۔ایک جگہ پر اسی کو یوں بیان کیا گیا ہے: (ترجمہ) ''وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے، وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم پر عنایت فرمائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں''۔(التوبہ:۵۹) اس آیت پر ذرا غور فرمایئے کہ مومنین موحدین نے ''ایتاء'' کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی طرف اور ''حسب'' کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ حسبنا اللہ و رسولہ بلکہ حسب کو خالص اللہ کا حق قرار دیا ہے جیسے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ان کی بات کو یوں نقل فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں''۔ اس آیت میں رغبت کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور اپنے رب ہی کی طرف نظر جمائے رکھو''۔

پس ثابت ہوا کہ رغبت، توکل، انابت اور حسب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں۔ جیسے عبادت، تقویٰ، سجدہ، نذر و نیاز، اور قسم وغیرہ صرف اللہ کے لئے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے آیت زیر نظر آیت کا باب سے تعلق بھی معلوم ہو گیا وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ہی اکیلا اپنے بندے کا کارساز ہے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اسی ایک وحدہٗ لاشریک پر توکل اور اعتماد کرے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمتوں کو روک لیتا ہے اور انسان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''جو شخص اپنا دلی تعلق کسی بھی غیر اللہ سے جوڑے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے''۔

قول اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:۳)

جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حَسْبُهٗ کے معنی ہیں نگران اور جس کا اللہ نگران اور کفایت کنندہ ہو تو ایسے آدمی کو اس کا دشمن کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا سوائے اس کی تنگی کے جس کا وقوع تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں جیسے گرمی، سردی، بھوک پیاس سے چارہ نہیں اور ایسی تکلیف وہ اس کو کبھی نہیں دے سکتا جس سے اس کی مراد برآئے اور اذیٰ (جو کہ ظاہر میں ایذاء اور حقیقت میں اس پر احسان ہے اور دشمن کے لئے ضرر ہے) اور ضرر (جس سے وہ شفا چاہتا ہے) میں بہت فرق ہے۔

بعض سلف نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی جزاء اس کی ذات سے رکھی ہے اور اللہ پر توکل کی جزا اس کو کفایت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا نگران ہے''۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو اتنا اجر ملے گا، جیسا کہ دوسرے اعمال میں کہا ہے بلکہ متوکل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کافی اور اس کا محافظ بنایا ہے۔ اگر بندہ اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرے اور اس کے خلاف زمین اور آسمان اور ان میں رہنے والی مخلوقات اس کے خلاف تدبیر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی کشادگی کی راہ پیدا کرے گا اور رزق اور مدد میں اس کی کفایت کرے گا''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ: (ترجمہ) ''مجھے اپنی عزت کی قسم! جو شخص صرف مجھے ہی اپنا ملجا و ماویٰ بنالے۔ اس کے بعد اگر ساتوں آسمان اور اس کے رہنے والے، اور ساتوں زمینیں اور اس میں رہنے

والے سب مل کر بھی میرے اس خاص بندے کے خلاف محاذ قائم کرلیں تو میں اپنے بندے کو پھر بھی ان کے چنگل سے بچالوں گا۔ اور جو شخص مجھے چھوڑ دے اور مجھ سے اعراض کرلے، تو میں تمام اسباب کو ختم کردوں گا۔ اور اس کے قدموں تلے سے زمین نکال کر اس کو فضا میں معلق کردوں گا اور اسے اس کے نفس ہی کے سپرد کر کے چھوڑ دوں گا۔ خبردار! میں اپنے بندے کے لئے اکیلا کارساز ہوں جب تک میرا بندہ میری اطاعت و فرمانبرداری میں رہے گا۔ میں اسے بغیر سوال کئے دیتا چلا جاؤں گا اور اس کی پکار سے پہلے اس کی دعا قبول کروں گا۔ کیونکہ میں اس کی حاجت کو اس سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہوں''۔

پیش نظر آیت کریمہ میں توکل علی اللہ کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلب منفعت اور دفع ضرر کے لئے توکل علی اللہ بہت بڑا سبب اور ذریعہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ توکل کے ساتھ ساتھ اسباب اور ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے تقویٰ کا ذکر فرمایا اور بعد میں توکل بیان کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے''۔

یہاں تقویٰ کو توکل کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ تقوی ان اسباب کو شامل ہے جن اسباب کی شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہے اور اس بات کو بطور خاص ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ توکل بغیر شرعی اسباب کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس میں اس طرح کا توکل پایا جاتا ہے پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے عجز کو توکل اور توکل کو عجز نہ سمجھے بلکہ ان تمام اسباب کو جن سے اپنا مقصود حاصل کرنا ہو، بروئے کار لائے اور جو جائز اسباب مہیا ہو سکیں، ان کو ترک نہ کرے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قَالَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَهَا اِبْرَاهِيْمُ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَ قَالَهَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم حِيْنَ قَالُوْا لَهٗ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (رواہ البخاری والنسائی)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت کہا تھا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کہا تھا جب جنگ اُحد کے اختتام پر لوگوں نے کہا کہ دشمن تمہارے لئے فوجیں جمع کر رہا ہے اس سے ڈرو، تو اس سے مسلمانوں کا ایمان اور مضبوط ہوا اور بڑھا۔

یعنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کارساز ہے ہم اسی پر توکل اور بھروسہ کریں گے جیسا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے'' (الزمر:۳۹)۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھرسہ کیا اور اس کو اپنا وکیل بنایا ہے وہ بہت ہی عمدہ اعلیٰ اور ارفع ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: (ترجمہ) ''اور اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے مددگار''۔ (الحج:۷۸)۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص اللہ پر توکل کرے اور اسی کی طرف راجع ہو، اللہ تعالیٰ اس کا کفیل اور کارساز بن جاتا ہے کیونکہ وہی ایک ذات کبریا ایسی ہے جہاں خوف زدہ کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور امن کے متلاشی کو پناہ ملتی ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے، اسی سے امداد کا طالب ہو، اسی پر توکل کرے اور کلی طور پر تمام دنیا سے کٹ کر اللہ کریم سے جڑ جائے اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے، اس کو اپنی حفاظت، اپنے امان اور اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، جو شخص اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو امان اور اطمینان کی دولت سے نوازتا اور پھر جس چیز کی بندے کو ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز فراوانی سے اس کو عطا فرما دیتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے، قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں کہ: (ترجمہ) ''انہوں نے کہا: جلا ڈالو اس (ابراہیم) کو اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا: ''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی (والی) بن جا ابراہیم پر۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا'' (انبیاء:۶۸ تا ۷۰)۔

غزوۂ اُحد میں شکست کھانے کے بعد جب قریش مکہ، مدینہ منورہ کی حدود سے باہر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ ابوسفیان جو اس وقت لشکر کفار کا سپہ سالار تھا دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ستر جانباز سوار صحابہ کرام کو لے کر اس کے مقابلہ کے حمراء الاسد نامی مقام پر قریشی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا اور وہ اپنے لشکر کو لے کر سیدھا مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ابوسفیان کو عبدالقیس میں سے ایک قافلہ ملا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان بولا: مدینہ جا کر ہمارا پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ ضرور پہنچائیں گے۔ ابوسفیان نے یہ پیغام دیا کہ: جب مدینہ پہنچو تو مسلمانوں سے کہنا کہ ہم نے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری مکمل کر لی ہے تاکہ تم سب مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا

دیا جائے۔ چنانچہ عبدالقیس کا یہ قافلہ جب حمراء الاسد پہنچا تو ابوسفیان کی یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ کو سنا دی۔ اُس وقت تک ابھی حمراء الاسد ہی میں قریش کے انتظار میں تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھی فرمایا: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ''.

سیدنا ابراہیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ میں اس عظیم الشان دعائیہ جملہ کی عظمت اور فضیلت کا پتا چلتا ہے کیونکہ یہ دو خلیلوں کا متفقہ دعائیہ جملہ ہے اور وہ بھی انتہائی مشکل وقت میں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب تم کسی بڑی مصیبت میں گھر جاؤ تو یہ دعا ورد زبان رکھا کرو، اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کردے گا۔ وہ عظیم دعا یہ ہے: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ''۔

فیہ مسائل

☆ توکل علی اللہ فرائض میں سے ہے۔ ☆ ایمانِ صادق کی سب سے بڑی شرط یہی توکل ہے۔ ☆ کلمہ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ دونوں نے اِسے پڑھا۔

باب

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ (الاعراف:۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

اس مقام پر اس آیت کریمہ کے ذکر سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا بالکل اسی طرح کے عظیم گناہوں میں سے ہے اور توحید الٰہی کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہو جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ وہ خوف اور رجا کی کیفیتوں کے درمیان اپنی زندگی بسر کرے جیسا کہ کتاب وسنت اور سلفِ اُمت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

زیرِنظر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جنہوں نے پوری قوت سے انبیاء کی مخالفت اور اُن کی تکذیب کی اور پھر فرمایا کہ اِن لوگوں نے انبیائے کرام کی مخالفت اس لئے کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں پوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آ جائے جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو''۔

ان کے اس مکروہ کردار کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہو گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر نعمتوں سے نوازا اور مال و دولت میں اس قدر فراوانی عطا فرمائی کہ یہ لوگ اس بات کو قطعاً بھول گئے کہ یہ مال و متاع بھی ہماری گرفت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہ شخص بڑا بیوقوف ہے اور احمق ہے جس پر دنیا کے مال و متاع کے دروازے کھول دیئے جائیں اور وہ اس کو اپنے لئے آزمائش اور امتحان نہ سمجھے''

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی کی اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم کو گرفت میں نہیں لیا حتی کہ وہ اللہ کے انعام و اکرام کی وجہ سے عیش و عشرت میں پڑ گئے اور اس عارضی وسعت رزق سے دھوکا کھا بیٹھے۔ پس اب کسی شخص کو دھوکے میں نہ آنا چاہیئے''۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انسان کی نافرمانیوں پر اگر اللہ تعالیٰ اس کی پسند کے مطابق دنیا کا مال و متاع دیتا چلا جائے تو اس کے معنی صرف اسے ڈھیل دینا ہے''۔ (رواہ احمد و ابن جریر)

اسماعیل بن رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان گناہ کرتا چلا جائے، اور اُس پر مغفرت کی اُمید رکھے''۔ (رواہ ابن ابی حاتم)۔

بعض متقدمین اہل علم نے مکر اللہ کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے: ''جب انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو بعض اوقات اللہ اسے ڈھیل دے دیتا ہے اور مزید انعام و اکرام کی بارش کر دیتا ہے اور پھر اسے اچانک اپنی گرفت میں لے لیتا ہے''۔ مکر اللہ کی یہ مختصر سی تشریح تھی جو مختلف علمائے کرام اور محدثین عظام کی عبارات سے پیش کی گئی۔ واللہ اعلم۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے نا اُمید ہونے اور اس کی طرف سے مصائب کے حل کو مستبعد سمجھنے کو قنوط کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا۔ یہ دونوں کبیرہ گناہوں میں سے ہیں اور تصورِ توحید کے منافی ہیں۔ زیرِ نظر آیت اور اس سے پہلے بیان کی گئی آیت کریمہ کو مصنف رحمہ اللہ نے اس لئے یکجا بیان کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اُس کو رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خوف اور اُمید کے بین بین زندگی گزارنا چاہیئے۔ انسان اپنے گناہوں سے ڈرتا اور اُس کی اطاعت میں عمل صالح کرتا رہے اور پھر اُس کی رحمت کا اُمیدوار بھی رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''(بھلا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی) جو مطیع فرمان ہے رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؟ (الزمر:۹)۔ دوسرے مقام پر فرمایا: (ترجمہ) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے جائز اُمیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے اُنہیں نوازنے والا ہے''۔ (البقرۃ:۲۱۸)۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کو چھوڑ کر نافرمانی اور گناہوں پر اصرار کرنا اور اس پر بخشش کی اُمید رکھنا شیطان کا زبردست دھوکا اور فریب ہے تاکہ بندے کو خوفناک کیفیت میں ڈال دے اور ان اسباب و ذرائع کے قریب بھی نہ آنے دے جن کی وجہ سے انسان نجات حاصل کر سکے۔ لیکن اہل ایمان اور توحید میں پکے افراد کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ان اسباب سے دست کش نہیں ہوتے جن سے کامیابی اور نجات ممکن ہے وہ اللہ کے عذاب سے بھاگتے اور اُس کی بخشش کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں اجر و ثواب کی توقع پنہاں ہوتی ہے۔

آیت زیرِ بحث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے، یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب فرشتوں نے سیدنا خلیل علیہ السلام کو سیدنا اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تھی، چنانچہ اس خوشخبری پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: (ترجمہ) ''کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو، ذرا سوچو تو سہی کہ یہ کیسی بشارت تم مجھے دیتے ہو''؟ (الحجر:۵۴)۔ کیونکہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب انسان خود اور اس کی بیوی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر اولاد کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے

ہاں تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس تعجب خیز جملہ کو سن کر فرشتوں نے کہا: ''ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں''۔ ہم نے جو خوشخبری دی ہے اُس میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی چیز درمیان میں حائل اور رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس لئے ''تم مایوس نہ ہو''۔ اس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو گمراہ ہوں''۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی رحمت کی وسعتوں کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے لیکن اُنہوں نے صرف تعجب اور حیرت سے فرمایا تھا ''کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو''۔

الضَّالُّوْنَ کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: ۱۔ وہ لوگ جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر شیطان کی بتائی ہوئی غلط راہ پر چلے جا رہے ہوں۔ ۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ کافر ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ دوسرے معنی کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے: (ترجمہ) ''اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی نا اُمید نہیں ہوتا''۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ الْكَبَآئِرِ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَ الْيَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ وَ الْاَمْنُ مِنْ مَّكْرِ اللهِ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ۱۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ ۳۔ اور اللہ کی گرفت سے بے خوف رہنا۔ (کبیرہ گناہ ہیں)۔

تمام کبیرہ گناہوں میں شرک سب سے کبیرہ گناہ ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا توحید ربوبیت کو ختم کرنے، توحید الوہیت کو ناقص قرار دینے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظن کے مترادف ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا اور اپنی مخلوق کی خیر کو اہی کے لئے فرمایا: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کے منکر اوروں کو اللہ کے برابر کرتے ہیں''۔ (الانعام:۱)۔ اور سورۂ لقمان میں فرمایا: (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے''۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر شرک جیسے گناہ کو بغیر توبہ کئے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔

جن اُمور کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا جاتا ہے اور جن اُمور کی توقع کی جاتی ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے اُمید اور توقع ختم کر لینا نا اُمیدی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سوءِ ظن کی بدترین مثال

ہے۔اس کی رحمت لازوال سے نا اُمیدی اس کی جُود ت بے پایاں سے قنوطیت اوراس کی مغفرت لابدی سے صرفِ نظر کر لینے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

انسان کومہلت پر مہلت دیتے جانا، اوراس کے دل سے ایمان کی دولت کوسلب کر لینا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں بڑا جاہل اور بیوقوف ہے اوراپنے بارے میں خودفریبی میں مبتلا ہے۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ زیر بحث حدیث میں صرف تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے کبیرہ گناہ ہیں۔کتاب وسنت میں ان تین کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے یہ تمام کبیرہ گناہوں میں سر فہرست ہیں۔محققین علمائے کرام ومحدثین عظام کی تصریحات کے مطابق کبیرہ گناہ کے متعلق مندرجہ ذیل اصول سامنے رکھنے چاہئیں کہ: ☆ ہر گناہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ جہنم کی وعید سنائے۔ ☆ یا جس کے مرتکب کوملعون قرار دیا جائے۔ ☆ یا اللہ تعالیٰ کے غضب اورعذاب کی وعید سنائی جائے۔ ☆ یا بقول امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایمان کی نفی کی جائے۔وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ ☆ وہ بھی کبیرہ گناہ ہے جس کے مرتکب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برات کا اظہار کردیں۔☆ یا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمادیں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ تقریباً سات سوتک پہنچتے ہیں جن میں سے یہ اکبرالکبائر ہیں لیکن یہ اصول یادرکھنا چاہیئے کہ استغفار کرنے پر کوئی کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اوراس پر اصرار کیا جائے تو کوئی صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا''۔

و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ اَکْبَرُ الْکَبَآئِرِ اَلْاِشْرَکُ بِاللهِ وَ الْاَمْنُ مِنْ مَّکْرِ اللهِ وَ الْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ وَ الْیَاْسُ مِنْ رُّوْحِ اللهِ (رواہ عبدالرزاق)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اُس کے مکر سے بے کوف ہونا، اُس کی رحمت اوراس کے کرم سے نا اُمید اور مایوس ہونا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کو خوف اور رجاء کے درمیان رہنا چاہیئے۔جب وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اُس کی رحمت سے مایوس اور بددِل نہ ہو بلکہ اُس کی رحمت کی اُمید کا چراغ دِل میں روشن رکھے۔سلف صالحین پسند کرتے تھے کہ صحت میں خوف غالب رہے اور بیماری میں اُمید غالب ہو جائے۔ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ اور یہی دستور تھا۔بلکہ وہ فرماتے تھے کہ

''دل پر خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے کیونکہ اگر خوف پر رجا غالب آ گئی تو دِل کی دُنیا میں فساد برپا ہو جائے گا''۔

مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی میں خوف کو اُمید سے مقدم گردانا گیا ہے اور پہلے ذکر کیا گیا ہے فرمایا: (ترجمہ) ''جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر''۔ (الملک:۱۲)۔ ''وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دِل الٹنے اور دید کے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی''۔ (النور:۳۷)۔ ''اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور اُن کے دِل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں۔ (المؤمنون:۶۰ تا ۶۱)۔ ''کیا جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام سے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا اُمیدوار ہے''۔ (الزمر:۹)۔

باب

من الایمان باللہ الصبر علی اقدار اللہ

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کیا جائے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (التغابن:۱۱)۔

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اُس کے دِل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تقریباً نوے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ** صبر ایک نور ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ صبر سے بہتر اور وُسعت پذیر چیز کسی کو نہیں دی گئی، اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ''ہم نے اپنی زندگی کے اُس حصہ کو بہتر پایا جس میں صبر ہے''۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایمان میں صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو انسان کے بدن میں سر کو ہے یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا دیکھو اُس شخص کا ایمان ہی نہیں جس میں صبر کی صلاحیت نہیں ہے''۔

صبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس پر ضبط کرے، زبان کا صبر یہ ہے کہ شکوہ وشکایت کے الفاظ زبان سے نہ نکلیں اور اعضاء کا صبر یہ ہے کہ مصائب ومشکلات کے وقت اپنے چہرے کو نہ نوچا جائے، نہ گریبان چاک کیا جائے۔صبر تین اُور سے تعبیر ہے: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو عملی جامہ پہنانا۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کے منع کردہ اُمور سے مجتنب رہنا اوران کو ترک کرنا۔اور ۳۔مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔

اس آیت کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (التغابن:۱۱) کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اِذن ہی سے آتی ہے۔یعنی ہر قسم کی مصیبت اور آزمائش اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادے اور اس کے حکم کے بعد ہی انسان کو پہنچتی ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: (ترجمہ) ''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے''۔(الحدید:۲۲)۔سورۂ بقرہ میں فرمایا: (ترجمہ) ''جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انہیں خوشخبری دے دو کہ اِن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔(البقرۃ:۱۵۵تا۱۵۷)۔

یعنی جو شخص مصائب ومشکلات میں گھر جائے اور یہ سمجھے کہ یہ مصائب وآلام اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر ہی سے نازل ہوئی ہیں، پھر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اجروثواب کا اُمیدوار رہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامند ہوکر اُسے تسلیم کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو ثابت قدم بھی رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم سے بھی دُور نہیں جانے دیتا اور نتیجتاً جو کچھ اُس سے ضائع ہوجاتا ہے، اللہ اُس سے کہیں زیادہ عطا فرمادیتا ہے، اس کا دل نورِ ہدایت سے منور ہوجاتا ہے اور صدقِ یقین کی بے مثل دولت اُس کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے۔آیت کے اس ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا صبر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اس علم کے مطابق ہوتا ہے جو اس کی حکمت کو شامل ہے جس کی وجہ سے انسان صبر ورضا کا مظاہرہ کرتا ہے۔

قال علقۃ رحمۃ اللہ علیہ ھُوَ الرَّجُلُ تُصِیْبُہُ الْمُصِیْبَۃُ فَیَعْلَمُ اَنَّھَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَیَرْضٰی وَ یُسَلِّمُ

جناب علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ شخص ہے جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے اس لئے اس پر خوش ہو اور دِل کی گہرائیوں سے اُسے تسلیم کرے۔

یہ قول اعمش نے ابی ظبیان سے یوں نقل فرمایا ہے کہ: ''ہم ایک موقع پر علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ''وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ'' تو جناب علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے اور یہ سمجھ کر کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر راضی رہے اور اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے''۔ جناب علقمہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں۔

اس آیت کا مطلب سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا دِل کی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ بنتا ہے اور صابرین کے لئے یہ بہت بڑا اجر ہے۔

و فی صحیح مسلم عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَ النِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں ایک کسی کے حسب و نسب پر طعن کرنا، دوسرے میت پر بین کرنا۔

یعنی یہ دونوں چیزیں لوگوں میں کفر کا بقایا ہیں کیونکہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے ہیں اور یہ لوگوں میں موجود رہتی ہیں اور ان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے اور علم عطا فرمائے اور ایسا نورِ ایمانی بخشے جس سے وہ روشنی حاصل کرے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس آدمی میں کفر کا ایک شعبہ ہو وہ کافر مطلق کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ وہ آدمی جس میں ایمان کی ایک شاخ ہو وہ مطلق مومن کی طرح نہیں ہوتا اور کفر نکرہ اور معرف باللام کے اثبات میں بہت بڑا فرق ہے۔

حدیث کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نسب کی بنا پر حقیر سمجھنا یا اس کا نسب نامہ معلوم ہوتے ہوئے اُسے کسی دوسرے شخص کا بیٹا قرار دینا۔ کسی رشتہ دار کی موت پر بین کرنا اور لوگوں کے سامنے اس کے فضائل و محاسن بیان کرنا، بین کہلاتا ہے۔ اس قسم کے بین کرنا اور میت کے اوصاف ظاہر کرنا وغیرہ اُمور تقدیر الٰہی پر عدمِ رضا اور صبر کے سراسر منافی ہے۔ نیاحۃ میں اس قسم کے بول بولنا مراد ہے کہ ''مرنے والا میرا دایاں بازو تھا اور یہی میرا پشت پناہ تھا''۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر کرنا واجب ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کفر ایسا بھی ہے جس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

و لهما عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا چہرہ نوچے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت جیسے بول بولے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ حدیث اُن نصوص میں سے ایک ہے جن میں وعید سنائی گئی اور تنبیہ کی گئی ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں گناہوں کے بارے میں ڈر اور خوف پیدا ہو اور لوگ ان برے اور مکروہ اعمال سے باز رہیں۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث میں جن افعالِ قبیحہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کمال توحید کے منافی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''رخسار کا اس لئے خاص طور پر ذکر فرمایا کہ اکثر لوگ رُخسار ہی پر ہاتھ مارتے ہیں ورنہ چہرے کا کوئی حصہ پیٹنا بھی اسی قبیل میں داخل ہے''۔

جیوب گریبان کو کہتے ہیں، گریبان پھاڑنا، اہل جاہلیت کی پرانی رسم ہے مرنے والے کے غم میں ایسا کیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت پر نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کی عادت ہے''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اپنی قبائلی رسوم کی طرف لوگوں کو بلانا اور ان کو زندہ کرنا عصبیت کی دعوت دینا ہے۔ کسی خاص مسئلے میں اپنے علماء اور مشائخ کے بارے میں تعصب سے کام لینا، بعض علماء کو بعض پر ایک خاص نوعیت کی فضیلت دینا، علماء و مشائخ کی وجہ سے ایک دوسرے سے دشمنی اور دوستی قائم کرنا، سب جاہلیت کی رسوم ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں''۔

ابن ماجہ میں ایک حدیث سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ زخمی کرنے والی، گریبان پھاڑنے والی اور بین کرنے والی عورت پر لعنت کی ہے''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ افعال کبیرہ گناہوں سے ہیں۔ دوسرے بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص قضاء وقدر پر برافروختہ نہ ہو اور بین وغیرہ کرنے کی نیت بھی نہ ہو اور بات بھی جھوٹی نہ ہو تو ان افعال میں سے اگر معمولی فعل اتفاقاً سرزد ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض صحابہ جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس قسم کی معمولی سی بات کا اظہار ثابت ہے جس کی تصریح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

ان احادیث میں رونے کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا فرمائے تھے: (ترجمہ) ''آنکھوں میں آنسو ہیں اور دل غمگین ہے۔ بایں ہمہ ہم زبان سے ایسا کوئی لفظ نہیں نکالیں گے جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔ اے ابراہیم! تیری جدائی کی وجہ سے ہم پر حزن وملال طاری ہے''۔

صحیح بخاری ومسلم میں سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ اپنی ایک بیٹی (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اُس کا لڑکا موت وحیات کی کش مکش میں ہے۔ بیٹی نے بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا۔ بچے کا سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے دھونکنی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بولے یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے آپ ﷺ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دِلوں میں رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں پر ہی رحم کرتا ہے جو خود دُوسرے پر رحم کرتے ہیں''۔

عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهٖ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ قَالَ ﷺ اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَآءِ وَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَ مَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے خیر خواہی کرنا چاہتا ہے تو اُس کے گناہوں کی سزا جلدی اِسی دنیا میں دے دیتا ہے۔ اور جب کسی سے برائی چاہتا ہے تو اُس کے گناہ کی سزا قیامت تک کے لئے روک لیتا ہے تاکہ اُسے پوری سزا دی جا سکے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے مزید فرمایا کہ جتنی بڑی مصیبت ہوگی اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُنہیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ پس جو شخص آزمائش میں اللہ پر راضی رہا اُس کے لئے اللہ کی رضا اور جو شخص ناخوش ہوا اُس پر اللہ تعالیٰ بھی ناخوش ہوگا۔

فیہ مسائل

☆ صبر کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ایک حصہ ہے۔ ☆ اُس شخص کو سخت وعید اور ڈانٹ پلائی گئی ہے جو

مصیبت اور مشکل کے وقت اپنے چہرے کو نوچے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی سی آہ و بکا کرے۔ ☆ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُس کی علامت اور نشانی۔ ☆ جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ برائی کا ارادہ کرے اُس کی علامت۔ ☆ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے تو اُس کی علامت۔ ☆ ناراضگی کی حرمت۔ ☆ مصائب و مشکلات میں محصور ہو جانے پر رضا کا اجر و ثواب۔

باب

ما جآء فی الریاء

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ریا کاری ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے اور اس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف:۱۱۰)

کہہ دو اے محمد (ﷺ) کہ میں تو ایک اِنسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک اللہ ہی ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے نام یہ فرمانجاری کیا کہ آپ ﷺ یہ اعلان کر دیں کے میرے اندر نہ ربوبیت ہے اور نہ الوہیت کی کوئی صفت ہے، بلکہ یہ دونوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لئے مختص ہیں اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا متمنی ہو، اُسے اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ آیت کا آخر لفظ ''اَحَدًا'' ہے جو نحوی لحاظ سے سیاقِ نہی میں نکرہ استعمال ہوا ہے اس میں عمومیت پائی جاتی ہے جس میں انبیاء، ملائکہ، صالحین اور اولیائے کرام وغیرہ سب شامل ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''علمائے سلف و خلف میں سے اکثر نے لِقا کے یہ معنی کئے ہیں کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ اور سامنے دیکھے گا''۔ شیخ الاسلام نے رویت پر دلائل بھی ذکر فرمائے''۔